طلوعِ اسلام

۱۹۵۴ء

ستمبر

سنہ ۱۹۵۴ء

/۱۰

پاکستان میں نظام شریعت رائج ہونا چاہئے ۔

لیکن یہ نظام شریعت ہوگا کیا ؟

(۱) اقتدار اعلیٰ خدا کا ۔ اطاعت صرف اس کی ۔

(۲) خدا کی اطاعت کے معنی ہیں اسکی وحی کی اطاعت ۔

(۳) ایک وحی قران میں ہے ۔ لیکن وہ مجمل ہے ۔

(۴) اس اجمال کی تفصیل دوسری وحی میں ہے جس کا نام احادیث ہے۔

(۵) لہذا خدا کی اطاعت سے مراد احادیث کا اتباع ہے ۔

لیکن ۔۔۔۔ احادیث غلط بھی ہیں اور صحیح بھی ۔

یہ کون بتائے کہ صحیح احادیث کونسی ہیں اور غلط کونسی ؟

یہ صرف ۔۔۔۔ مزاج شناس رسُول بتا سکتا ہے ؟

یہ مزاج شناس کون ہیں ؟

اسکی تفصیل ادارہ طلوع اسلام کی تازہ ترین پیشکش

مزاج شناس رسول

میں دیکھئے ۔ ضخامت ۴۴۸ صفحات ۔ مجلد سعہ گرد پوش ۔

قیمت ۔/۴ روپے (علاوہ محصول ڈاک)

ناظم ادارہ طلوع اسلام ۔ کراچی ۔

اسلامی حیاتِ اجتماعیہ کا ماہوار مجلہ

طلوعِ اسلام

کراچی

قیمت فی پرچہ	مُرتّب	بدل اشتراک
دس آنے (پاکستانی)	سعید احمد	سالانہ: چھ روپے پاکستانی (نو روپے ہندوستانی)
بارہ آنے (ہندوستانی)		غیر ممالک سے ۲۱ شلنگ

جلد ۷	ستمبر ۱۹۵۴ء	نمبر ۹

فہرستِ مضامین

قرآن نے کیا کہا؟	۴	حقائق و عبر	۴۶-۴۸
لمعات	۵ - ۹	۱- رویتِ ہلال	
طوافِ حرم (نظم)	۱۰	۲- فریضۂ حج	
(محترم اسد ملتانی صاحب)		۳- باب الحیل	
سلیم کے نام	۱۱-۱۸	نقد و نظر	۴۹-۵۰
(محترم پرویز صاحب)		۱- محمد اقبال۔ سیرت و فلسفہ و شعرہ (عربی)	
حکومت کی زکوٰۃ کمیٹی	۱۹-۲۱	اختلافِ امتی رحمۃ	۵۱-۶۲
زکوٰۃ	۲۲-۲۸	(علامہ تمنا عمادی صاحب)	
(محترم پرویز صاحب)		رفتارِ عالم	۶۳-۷۱
معاشی نبی	۲۹-۳۸	ہمارا اور آپ کا مشترکہ مفاد	۷۲
مزاج شناسِ رسول	۳۹-۴۵	اشتہارات	۷۳-۷۶

قرآن نے کیا کہا؟

آج کیفیت یہ ہو چکی ہے کہ جہاں کہیں دو مسلمان آپس میں ملیں وہ اپنی حالت کا رونا رونا شروع کر دیتے ہیں۔ ہمارے معاشرہ میں یہ خرابیاں ہیں۔ مسلمانوں میں یہ کمزوریاں ہیں۔ نظم و نسق میں یہ نقائص ہیں۔ مملکت میں کوئی چیز اپنی جگہ پر قائم نہیں۔ کوئی کام صحیح انداز سے نہیں ہو رہا۔ ہر طرف تباہیاں اور بربادیاں ہیں۔ ہر سمت خرابیاں ہی خرابیاں ہیں۔ عوام لیڈروں کو کوستے ہیں کہ یہ سب نااہل ہیں۔ ان میں نہ قابلیت ہے نہ کیریکٹر۔ نہ دیانت ہے نہ امانت۔ ان سے کچھ نہیں ہو سکتا۔ سب نالائق ہیں۔ دوسری طرف لیڈر، قوم میں کیڑے ڈالتے رہتے ہیں کہ ان میں نہ ڈسپلن ہے نہ تعاون کا جذبہ۔ نہ ایثار ہے نہ احساسِ فرض۔

قوم اور لیڈروں کے یہ عیوب و نقائص تو سب کو نظر آتے ہیں لیکن کسی کی سمجھ میں یہ نہیں آتا کہ ان حالات میں کیا کیا جائے؟ چنانچہ اسی کا نتیجہ ہے کہ اب ہر طرف مایوسی ہی مایوسی پھیل رہی ہے۔ لوگ اس نتیجہ پر پہنچ رہے ہیں کہ حالات اس درجہ خراب ہو چکے ہیں کہ اب ان کے سدھرنے کی کوئی شکل نہیں۔ چنانچہ اربابِ بست و کشاد اور عوام میں جو بُعد پہلے ایک لکیر کی سی حیثیت رکھتا تھا اب گہری خلیج بن چکا ہے اور کسی کی سمجھ میں نہیں آتا کہ اس خلیج کو کس طرح پاٹا جائے۔

قرآن ان حالات کا حل بتاتا ہے۔ وہ کہتا ہے کہ سب سے پہلے یہ اصول یاد رکھو کہ لَا تَسْتَوِی الْحَسَنَۃُ وَلَا السَّیِّئَۃُ۔ تعمیری کام اور تخریبی کام دونوں کبھی یکساں نہیں ہو سکتے۔ اب سوال یہ ہے کہ جب تخریبی عناصر عام ہو جائیں تو ان کا علاج کیا کیا جائے۔ وہ کہتا ہے کہ اِدْفَعْ بِالَّتِیْ ھِیَ اَحْسَنُ۔ تخریبی کوششوں کی مدافعت کا طریقہ یہ ہے کہ تم زیادہ سے زیادہ تعمیری کام کرنے شروع کر دو۔ جب یہ کرو گے تو تم دیکھو گے کہ فَاِذَا الَّذِیْ بَیْنَکَ وَبَیْنَہٗ عَدَاوَۃٌ کَاَنَّہٗ وَلِیٌّ حَمِیْمٌ (۴۱/۳۴) وہ لوگ جن میں اور تم میں اس قدر بُعد پیدا ہو چکا ہے کس طرح تمہارے گرم جوش رفیقِ کار بن جاتے ہیں۔ یعنی محض تنقید اور عیب جوئی سے حالات نہیں سدھر سکتے۔ حالات سدھارنے کا ایک ہی طریقہ ہے کہ تم زیادہ سے زیادہ تعمیری کام کرتے جاؤ۔

لیکن اس کے لئے بڑی پختگیٔ سیرت اور استقامتِ عمل کی ضرورت ہے۔ وَمَا یُلَقّٰھَاۤ اِلَّا الَّذِیْنَ صَبَرُوْا۔ یہ چیز صرف ان لوگوں کو مل سکتی ہے جو بڑے صاحبِ ہمت و استقامت ہوں۔ وَمَا یُلَقّٰھَاۤ اِلَّا ذُوْ حَظٍّ عَظِیْمٍ (۴۱/۳۵)۔ یہ توفیق انہی کو ارزاں ہو سکتی ہے جنہیں زندگی کے بنیادی جوہروں سے حصّہ وافر ملا ہو۔

یاد رکھو! کسی کے بڑے ہونے کی پہچان یہ ہے کہ وہ کس قدر تعمیری کام کرتا ہے اور اس کی وجہ سے معاشرہ کے حسن میں کس قدر اضافہ ہوتا ہے! جس میں یہ خوبیاں نہیں ہیں وہ بڑا بننے کا مستحق نہیں ہے۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

لمعات

یک گریہ پس از ضبطِ دو صد گریہ ضارہ   تا تلخی آں زہر تو انم ز گلو برو

"مسلمانو! تمہاری رگوں میں خون نہیں تڑپنے اور مچلنے والی بجلیاں ہیں جو باطل کے خس و خاشاک کو راکھ کا ڈھیر بنا کر رکھدینگی۔ تمہارے سینے متاعِ ملی کے امین ہیں۔ دنیا کی کوئی قوت اس امانت کو تم سے چھین نہیں سکتی۔ ہم نے دنیا کے روباہ بازانِ ازلی سے بارہا کہا کہ اس شیر نیستاں کو سویا رہنے دو۔ اسے مت چھیڑو۔ اسے مت اٹھاؤ۔ یہ جاگ اٹھا تو دنیا میں قیامت برپا کر دیگا۔ پھر تمہیں نہ زمین میں پناہ ملے گی نہ آسمان پر۔ تم اپنی جانیں بچانے کے لئے دنیا کی ہر طاقت سے فریاد کروگے لیکن دنیا کی کوئی طاقت تمہاری مدد کیلئے نہیں پہنچ سکے گی۔ اسلئے کہ دنیا جانتی ہے کہ اس ضیغمِ یزدانی اور اسدِ غابۂ صمدانی سے پنجہ فگنی کے معنی خودکشی کے سوا کچھ نہیں۔ لیکن ان ناعاقبت اندیشوں نے ہماری اس پکار کو محض ہنسی سمجھا ہے۔ مسلمانو! تم کفر و باطل کے ان پجاریوں کے اس مردود چیلنج کو قبول کرو۔ اٹھو۔ بیدار ہو جاؤ۔ اور دنیا کی ان ناہنجار قوتوں کو بتا دو کہ

آساں نہیں مٹانا نام و نشاں ہمارا

اس میں شبہ نہیں کہ دشمن کے پاس ساز و سامان ہے۔ اس کے ہاں جیوش و عساکر ہیں۔ اس کے پاس گولہ اور بارود بھی ہے لیکن جو کچھ تمہارے پاس ہے وہ اس کے پاس نہیں ہے۔ تمہارے سینے میں توحید کی امانت ہے۔ تمہارے بازوؤں میں حیدری قوت ہے۔ تمہاری نگاہوں میں فاروقی دبدبہ ہے۔ تم میں شانِ قلندری ہے۔ دنیا کو اپنے ساز و سامان پر بھروسہ ہے۔ تمہیں اپنے ایمان پر بھروسہ ہے۔ اور ایمان کی قوت وہ ہے جس کے سامنے دنیا کی کوئی قوت بھی ٹھہر نہیں سکتی۔

کافر ہو تو شمشیر پہ کرتا ہے بھروسہ
مومن ہو تو بے تیغ بھی لڑتا ہے سپاہی"

آپ کسی جلسہ میں جائیے۔ ہر تقریر اسی قسم کی شعلہ فشانیوں سے فضا کو مسحور کرتی دکھائی دے گی۔ یہ جلسہ کسی پارک میں ہو یا صحنِ مسجد میں۔ اسمبلی کے ایوان میں ہو یا عیدگاہ کے میدان میں۔ آپ کہیں ہوں اور مقرر کوئی بھی ہو۔ بس چند الفاظ ہوں گے طنطنہ خیز اور چند فقرے ہوں گے ولولہ انگیز۔ مقرر کے منہ سے یہ دھواں دھار الفاظ جھاگ کی آمیزش سے نکلتے چلے جائیں گے اور فضا

اللہ اکبر کے فلک بوس و کہکشاں گیر نعروں سے گونجتی رہے گی۔ اس کے بعد جلسہ ختم ہو جائے گا۔ کچھ وقت کے لئے اس تقریر کی شعلہ نوائی اور آتش فشانی کا چرچا رہے گا۔ اس کے بعد اسی قسم کے کسی اور "مشاعرے" کا انتظار ہونے لگے گا۔ پہلے کا تو پتہ نہیں لیکن کم از کم گذشتہ پچیس تیس سال سے تو یہی کچھ سنتے چلے آ رہے ہیں۔ کتنا ہی اہم مسئلہ درپیش ہو۔ کیسا ہی نازک سوال سامنے ہو۔ کتنے ہی مہیب خطرہ کا مقابلہ ہو۔ کیسی ہی جاں فرسا مصیبت سر پر منڈلا رہی ہو۔ ہمارا کوئی لیڈر یہ نہیں بتائے گا کہ مسئلہ کی نوعیت کیا ہے۔ اس کا مالہ و ماعلیہ کیا ہے۔ یہ خطرہ کیوں پیدا ہو رہا ہے۔ یہ گھٹا ہمارے سروں پر کیوں منڈلا رہی ہے۔ اور اب اس خطرہ کے مقابلہ کے لئے ہمارے سامنے کیا اسکیم ہے۔ ہم کیا کرنا چاہتے ہیں۔ ایسا کیوں کرنا چاہتے ہیں۔ ہمیں کیا کرنا چاہئے۔ ان میں سے کوئی بات نہیں کہی جائے گی۔ بس کہا جائے گا تو یہ کہ تم خدا کی آسمانی آگ ہو اور یہ باطل کا خس و خاشاک ہے۔ اٹھو۔ اور اس خس و خاشاک کو راکھ کا ڈھیر بنا کر رکھ دو۔

جب تک پاکستان کا تصور نہیں ملا تھا، ہمارے ہاں اس قسم کی تقریریں ایک حد تک قابلِ فہم تھیں۔ اس لئے کہ اس وقت ہمارے سامنے کوئی واضح نصب العین اور کوئی متعین پروگرام نہ تھا۔ اس لئے جو خطرہ بھی ہمارے سامنے آتا، سوائے اس کے کہ ہم اس پر غم و غصہ کا اظہار کرتے، ہمارے لئے اور کوئی چارۂ کار ہی نہ تھا۔ پاکستان کا تصور ملنے کے ساتھ ہی خوش قسمتی سے زمامِ قیادت قائد اعظم جیسے بارد منطقی (COLD LOGICIAN) کے ہاتھ میں آ گئی جو ہر مسئلہ کو دو اور دو چار کی طرح سمجھنے اور پانچ اور پانچ دس کی طرح سلجھانے کے عادی تھے۔ پاکستان بن جانے کے بعد ہماری تاریخ نے ایک نیا ورق الٹا۔ اب ایک خطۂ زمین ہمارے پاس تھا جسے ہم نے ایک خاص مقصد کیلئے حاصل کیا تھا۔ اب ہماری منزل بھی متعین تھی اور راستہ بھی۔ ہمارے خطرات بھی واضح تھے اور ان کے حل بھی صاف صاف۔ اب نہ ہمارے مسائل موہوم تھے اور نہ ان کے سمجھنے اور سلجھانے کی شکلیں مبہم۔ لہٰذا اب ہمارے ہاں اس سابقہ "شاعری" کی کوئی گنجائش نہ تھی۔ لیکن ہم گذشتہ سات سال سے دیکھ رہے ہیں کہ ہمارے راہ نما بدستور اسی "بیت بازی" میں الجھے ہوئے ہیں۔ وہی لفظی گورکھ دھندے۔ وہی لچھے دار تقریریں۔ وہی جذبات انگیز شعلہ فشانیاں اور وہی شاعرانہ رجز خوانیاں۔ اس سات سال میں ہماری مصیبتوں میں اضافہ پر اضافہ ہوتا گیا ہے۔ ملک کی حالت خراب سے خراب تر ہوتی گئی ہے۔ قوم کی خوشحالی کی سطح پست سے پست تر ہوتی گئی ہے۔ دشمنوں کے مشئوم ارادے بد سے بدتر ہوتے گئے ہیں۔ ان کی طرف سے پیدا ہونے والے خطرات موہوم سے حقیقت بنتے چلے گئے ہیں۔ یہ سب ہوتا گیا ہے لیکن کیا مجال جو ہمارے ارباب حل و عقد کی "شاعری" میں ذرا سا بھی فرق آیا ہو۔ آپ غور کریں گے تو یہ حقیقت نکھر کر آپ کے سامنے آ جائے گی کہ انھوں نے کبھی قوم سے خطاب کرتے وقت یہ نہیں بتایا کہ اب ان کے زیر غور کونسی (PROBLEM) ہے۔ وہ کس گتھی کے سلجھانے میں مصروف ہیں۔ اس کے لئے انھوں نے اس وقت تک کیا عملی اقدام کیا ہے۔ اب ان کے سامنے کونسا پروگرام ہے وہ قوم سے کیا چاہتے ہیں۔ قوم کو اس باب میں کیا کرنا چاہئے؟ گذشتہ نوائب و حوادث کو چھوڑیئے۔ اس سال بھارت کی طرف سے ستلج کا پانی بند کر دینے کے سلسلہ میں جو عملی قدم اٹھا ہے، اس سے پاکستان کی شاہ رگ کٹ گئی ہے۔ ہم اس حقیقت کو دو اور دو چار کی طرح سمجھا سکتے ہیں کہ اگر فیصلہ وہی رہا جو اب ہے تو پاکستان کسی طرح بھی زندہ نہیں رہ سکتا۔ یہ خطرہ موہوم نہیں واقعی ہے۔ محض

متوقع نہیں بلکہ ظہور میں آچکا ہے۔ قوم اور اس کی آنے والی نسلیں، موت وحیات کی اس روح فرسا کشمکش میں مبتلا ہے لیکن حرام جو قوم کو آج تک بتایا گیا ہو کہ پانی کا قصہ کیا ہے۔ یہ کب شروع ہوا کن کن مراحل سے گذرا۔ اس دوران میں ہم نے کیا کیا بھارت کے ساتھ ہماری کن کن نقاط پر مفاہمت ہو چکی ہے' اس نے ان معاہدات کی کس کس شق کی خلاف ورزی کی ہے۔ ہم نے اس کے خلاف کیا چارہ جوئی کی ہے۔ ورلڈ بینک میں یہ قضیہ کیسے پہنچا۔ ہمارے وفد نے امریکہ جا کر کیا کیا۔ ہم نے جس انداز سے اپنے مطالبہ کو پیش کیا اس کا اثر ثالثوں پر کیا ہوا۔ ہندوؤں کے اعتراضات کیا تھے۔ ہم نے ان کا جواب کیا دیا؟ اب صورتِ حالات کیا ہے اور ہم نے اس خطرہ سے بچنے کے لئے اس وقت تک کیا کیا ہے۔ اور اس کے بعد کیا کرنے والے ہیں۔ قوم کو اس کیلئے کیا کچھ کرنے کی ضرورت ہے۔ کسی نے اس باب میں کچھ نہیں کہا۔ جب پہلی بار اس کی خبر آئی تو محترم وزیر اعظم صاحب نے کہا تو یہ کہا کہ

اگر ضرورت پیش آئی تو میں خود نہر کھودنے کے لئے جاؤں گا۔

اسی دوران میں ۱۴ اگست کو یوم آزادی آگیا۔ قوم متوقع تھی کہ کم از کم اس موقع پر تفصیل سے بتایا جائیگا کہ یہ مسئلہ کیا ہے اور ہم نے اس کے متعلق کیا کیا اور کیا سوچا ہے۔ لیکن اس موقعہ پر بھی جو کچھ کہا گیا اس کا مطلع، حسنِ مطلع اور مقطع یہ تھا کہ

ہم مسلمان ہیں۔ ہمارے پاس چودہ سو سال کی شجاعت و بسالت کی روایات ہیں۔ ہمیں اپنے مستقبل پر جو بھروسہ ہے دنیا کی کوئی قوت اس بھروسہ کو ہم سے چھین نہیں سکتی۔

ہم نے تہیہ کر لیا ہے کہ ہم اپنی مملکت کے سفینہ کو سمندر کی ان خوفناک تلاطم انگیزیوں سے صاف بچا کر ساحل مراد تک لیجائیں گے۔ ہماری کشتی بڑی مضبوط ہے اور اس کے چپو ان لوگوں کے ہاتھ میں ہیں جو اللہ کے سوا کسی کے سامنے نہیں جھکتے۔

اسلام خدا کا سچا دین ہے اور خدا کی طرح ہمیشہ قائم رہنے والا ہے (ہندوؤں کو یاد رکھنا چاہیئے کہ) وہ ایک ایک مسجد جسے مندروں میں تبدیل کیا جا رہا ہے۔ وہ ایک ایک مسجد جس کی بے حرمتی کی جارہی ہے۔ یا مسلمانوں کے اس خون کا ایک ایک قطرہ جو بھارت میں بہایا جا رہا ہے۔ یہ سب ہمارے عزم، بلکہ تمام عالم اسلامی کے اس عزم کو پختہ تر کئے جاتا ہے کہ ہم باطل کی ان قوتوں کا جو ہمارے لئے موجب خطرات بن رہی ہیں نہایت مردانہ وار مقابلہ کریں گے۔

ہمارے نزدیک ہمارے مذہب کی قیمت ہماری جانوں سے بھی زیادہ ہے۔ اس لئے ہم اپنی جانوں کو اللہ کی راہ میں اور اس صداقت کی خاطر جسے اسلام کہا جاتا ہے بلا توقف و تامل قربان کر دینے کے لئے ہر وقت تیار ہیں۔ لہٰذا جو لوگ ہمارے خلاف مذموم ارادے رکھتے ہیں انھیں تھم کر سوچنا چاہیئے۔ ان کی راہ شر انگیزی کی راہ ہے۔ ان کا مسلک باطل کا مسلک ہے۔ ہم انھیں بیک زبان برملا کہہ دینا چاہتے ہیں کہ مسلمانوں سے اپنا ہاتھ اٹھالو! (بحوالہ ڈان ۱۶ اگست ۱۹۵۴ء)

کیسی مرصع ہے یہ غزل! لیکن اس کا کیا علاج کہ ہمارا دشمن کمبخت اسقدر بدمذاق واقع ہوا ہے کہ وہ بجائے اس کے کہ اس کی داد دے، نہایت طنز آمیز ہنسی سے یہ کہہ کر ہمارا مزہ کرکرا کر دیتا ہے کہ

یہ بازو مرے آزمائے ہوئے ہیں

ہم اپنے ان ارباب بست وکشاد کے جذبات کی تنقیص نہیں کرتے لیکن اس کے باوجود ہم اسے "شاعری" سے اسلئے تعبیر کرنے پر مجبور ہیں کہ قوموں کے مسائل محض جذبات سے حل نہیں ہوا کرتے۔ جو لوگ موہوم تخیلات کی وادیوں سے نکل کر تلخ حقیقتوں کا سامنا کرنے کے عادی ہیں وہ اچھی طرح جانتے ہیں کہ

جو کام کچھ کر رہی ہیں قومیں انھیں مذاقِ سخن نہیں ہے

ہماری قوم جذبات پرستیوں سے کافی پٹ چکی ہے۔ اب ضرورت ہے کہ انھیں حقائق کا سامنا کرنے کا عادی بنایا جائے۔ یہ اس طرح ہو سکتا ہے کہ جو مسئلہ پیش نظر ہو اسے نہایت وضاحت سے قوم کے سامنے رکھا جائے۔ اس کے مفید اور مضر پہلوؤں سے روشناس کرایا جائے۔ اسکے نتائج وعواقب سے آگاہ کیا جائے پھر یہ سمجھایا جائے کہ پاکستان کے دشمنوں کی کیا چال ہے۔ ان کی تدبیریں کیا ہیں۔ ہم نے ان کا کیا حل سوچا ہے۔ اس کے بعد قوم سے کہا جائے کہ وہ اس مسئلہ پر غور کرے۔ اسے سوچے۔ سمجھے اور پھر بتائے کہ اس باب میں اس کا مشورہ کیا ہے۔ یہی ایک طریقہ ہے جس سے آپ قوم کا صحیح تعاون حاصل کر سکتے ہیں اور ان خطرات کا مقابلہ کر سکتے ہیں جن سے آئے دن مملکت پاکستان دوچار ہوتی رہتی ہے۔ اس قسم کی جذباتی اور مبہم تقریروں سے قوم اس نتیجہ پر پہنچتی ہے کہ یا تو ان مسائل کو آپ خود بھی اچھی طرح سے نہیں سمجھتے اور اگر سمجھتے ہیں تو آپ نے ان کے حل کیلئے کوئی موثر قدم نہیں اٹھایا، اسلئے اپنی بے عملی کو جذبات پرستی کے نقاب میں چھپا رہے ہیں، یہ صورت حال کسی طرح بھی خوش آئند نہیں۔ اس سے زیادہ سے زیادہ ایک وقتی گرمجوشی پیدا ہو جاتی ہے لیکن اس قسم کی گرمجوشی شراب کے نشے کی طرح ہوتی ہے جس کا خمار بے حد اضمحلال اور افسردگی پیدا کرتا ہے "واثمھما اکبر من نفعھما"۔ اس کے اضمحلال کا نقصان اس کی گرمجوشی کے فائدے سے کہیں زیادہ ہے۔

ہمیں امید ہے کہ ہمارے یہ ارباب حل وعقد ہماری ان معروضات پر ٹھنڈے دل سے غور فرمائیں گے۔ کہ یہی ہے امتوں کے مرضِ کہن کا چارہ۔

اس باب میں ایک اور ضروری گذارش بھی ہے۔ اب اس حقیقت کے ثبوت کیلئے کسی دلیل کی ضرورت نہیں کہ ہندو پاکستان کا بدترین دشمن ہے۔ یہ ایک واقعہ ہے جسے ہم بھی اچھی طرح جانتے ہیں، وہ بھی جانتا ہے اور ہم ساری دنیا سے کہتے ہیں کہ وہ بھی اسے اچھی طرح جان لے۔ ایک طرف تو یہ حقیقت ہے، لیکن دوسری طرف ہوتا یہ ہے کہ ہم مختلف تقاریب پر ایک دوسرے کو مبارکباد کے پیغامات بھیجتے ہیں۔ ہمدردیوں کا اظہار کرتے ہیں۔ ایک دوسرے سے ثقافتی روابط (CULTURAL RELATIONS) قائم کرتے ہیں۔ خیر سگالی کے وفد ادھر اُدھر آتے جاتے رہتے ہیں۔ ہم پوچھتے یہ ہیں کہ جو قوم کسی قوم کی اسطرح کھلی ہوئی دشمن ہو، کیا اس سے اس قسم کے روابط قائم رکھے جایا کرتے ہیں؟ جو شخص آپ کے بیٹے کا قاتل ہو کیا آپ اس کے بیٹے کی شادی پر مبارکبادی کے تار بھیجا کرتے ہیں! جو شخص آپ کے پیچھے خنجر لئے پھر رہا ہو کیا آپ اپنے جشنِ سالگرہ پر اس سے تحائف قبول کیا کرتے ہیں! اگر آپ اپنی نجی اور ذاتی زندگی میں یہ کچھ نہیں کرتے تو پھر اجتماعی اور قومی زندگی میں ایسا کیوں کرتے ہیں! آپ کو معلوم نہیں کہ آپ کی اس روش کا اثر قوم پر (یا دوسری اقوام پر) کیا پڑتا ہے؟ اس سے سمجھا یہ جاتا ہے کہ آپ کے اور ان کے اختلافات محض جزئی اور معمولی ہیں ورنہ درحقیقت آپ اور وہ دلی دوست اور ایک دوسرے کے بہی خواہ ہیں۔ کسقدر غلط اور نقصان رساں ہے یہ اثر جو آپ کی یہ روش اپنے ملک میں اور بین الاقوامی حلقوں میں پیدا کر رہی ہے! غضب خدا کا۔ وہ نہرو جو پاکستان کے لاکھوں نفوس پر پانی بند کر کے ایک ہفتہ تک جشنِ مسرت مناتا ہے، اس کے چند ہی روز بعد مشرقی پاکستان کے سیلاب زدگان کے ساتھ اظہار ہمدردی کے پیغامات ہمیں بھیجتا ہے اور ہماری طرف سے اس کا شکریہ ادا کیا جاتا ہے۔ اس نے اگر ہمدردی کا پیغام بھیجا تھا تو اس کا جواب یہ تھا کہ

تمہارے جذباتِ ہمدردی سے حیرت ہوئی۔ تم ایک طرف لاکھوں پاکستانیوں پر پانی بند کرکے ان کی اور ان کی نسلوں کی تباہی پر جشنِ مسرت منانے ہو اور دوسری طرف پانی میں ڈوبنے والوں پر آنسو بہاتے ہو! ہم ان آنسوؤں کو خوب سمجھتے ہیں

گرچہ ہوں دیوانہ پر کیوں "دوست" کا کھاؤں فریب آستیں میں دشنۂ پنہاں۔ ہاتھ میں خنجر کھلا!

آپ کو یاد ہوگا کہ قائدِ اعظم کا، راشٹرپتی ابوالکلام آزاد کے نام اسی قسم کا جواب تھا جس نے ہندی سیاست کا رخ بدل دیا تھا۔ اسلام کے لغت میں اس قسم کے ڈپلومیٹک تعلقات کو منافقت کہتے ہیں جس کا مقام جہنم کا اسفل ترین حصہ بتایا گیا ہے۔

اسی طرح سنا ہے کہ اب ہندوؤں کی کرکٹ کی ٹیم میچ کھیلنے کیلئے پاکستان تشریف لارہی ہے۔ ہم پوچھتے یہ ہیں کہ کیا آپ نے کبھی اپنے بچوں کو ان لوگوں کے بچوں کے ساتھ کھیلنے دیا ہے جو آپ کی اور آپ کے بچوں کی جان کے لاگو ہوں اور جو اپنے بچوں کو ہمیشہ یہ سبق پڑھاتے رہیں کہ جس طرح بن پڑے آپ کو اور آپ کے بچوں کو تباہ و برباد کیا جائے؟ اور پھر بات یہیں تک نہیں کہ وہ آپ کے اور آپ کے بچوں کی جان کے دشمن ہیں۔ وہ دشمن ہیں اس آئیڈیالوجی کے جس کیلئے آپ نے پاکستان کو حاصل کیا ہے۔ سنئے کہ اس باب میں آپ کے خدا کا کیا حکم ہے۔ ارشاد ہے کہ

اے وہ جو ایمان کے مدعی ہو! تم اپنے دشمنوں کو اور میرے دشمنوں کو کبھی اپنا دوست نہ بناؤ کہ انھیں محبت کے پیغامات بھیجنے شروع کردو حالانکہ وہ اس ضابطۂ حیات کا انکار (اور اس کی مخالفت) کرتے ہیں جو تمہاری طرف حق کے ساتھ آیا ہے، وہ رسول کو اور تمہیں (تمہارے گھروں کی) نکالتے ہیں محض اس جرم کی پاداش میں کہ تم اپنے اللہ پر ایمان رکھتے ہو؟ (۶۰/۱)

اس نے سیرتِ ابراہیمی کو تمہارے لئے قابلِ تقلید نمونہ قرار دیا ہے لیکن کیا تمہیں معلوم ہے کہ اس سیرت کا وہ کونسا پہلو ہے جسے اس حکم کی وضاحت کے لئے نمایاں طور پر سامنے لایا گیا ہے؟ سنئے کہ قرآن کیا کہتا ہے۔ وہ کہتا ہے کہ

تمہارے لئے ابراہیم اور اس کے ساتھیوں میں اچھا نمونہ ہے جب انھوں نے اپنی قوم سے کہا کہ ہم تم سے اور جن کی تم خدا کے سوا عبودیت اختیار کئے ہوئے ان سب سے بے تعلق ہیں۔ ہم تم سے بیزار ہیں۔ ہمارے اور تمہارے درمیان نفرت اور عداوت ہمیشہ کھلی کھلی رہیگی جبتک تم ایک خدا پر ایمان نہ لے آؤ۔ (۶۰/۴)

"عداوت اور نفرت" ان سے جو تمہارے اور تمہارے خدا کے دشمن ہیں۔ اور یہ عداوت اور نفرت بالکل کھلی کھلی۔ یہ ہے وہ اسوۂ ابراہیمی جس کی تقلید کا ہمیں حکم دیا گیا ہے۔ اور ہم ہیں کہ ان لوگوں سے "کلچرل ریلیشنز" قائم کرتے ہیں! ایک طرف ہم اپنی تقریروں میں کہتے ہیں کہ تم ہمارے بدترین دشمن ہو، اور دوسری طرف ہم ان کی "ہمدردیوں کے پیغامات" کے شکریے ادا کرتے ہیں اور ان کے خیرسگالی کے وفدوں اور کھلاڑیوں کی ٹیموں کو دعوتیں دیتے ہیں! دنیا جاننا چاہتی ہے کہ یہ لوگ فی الواقعہ ہمارے دشمن ہیں یا ہم نے یونہی شور مچا رکھا ہے! دشمن تو کبھی ہمدرد نہیں ہوا کرتا۔ پھر اس کی "ہمدردی" کا شکریہ کیسا! اس سے مل کر تو کبھی خوشی نہیں ہوا کرتی۔ پھر اس سے ملنے کے مراسم کیسے؟

ہم پوچھتے یہ ہیں کہ کیا اب بھی وقت نہیں آیا کہ ہندوستان سے برملا کہدیا جائے کہ تمہاری دشمنی اس حد تک مسلم ہوچکی ہے کہ تمہارے ساتھ کسی قسم کے روابط قائم نہیں رکھے جاسکتے۔ ہم تمہاری طرح منافق نہیں ہیں جو کچھ ہمارے دل میں ہوتا ہے وہی کچھ ہماری زبان پر ہوتا ہے۔ ہم دل میں عداوت رکھکر زبان سے ہمدردی کے پیغامات نہیں دیا کرتے۔ نہ ہی ہم اس قسم کے مبنی بر منافقت پیغامات سننے کے عادی اور ایسے مراسم بڑھانے کے خوگر ہیں۔ بات بالکل صاف ہے۔

بہ آشتی بنشیں یا بہ امتحاں برخیز

طوافِ حرم

[محترم اسد ملتانی صاحب نے یہ نظم مکہ معظمہ سے طلوعِ اسلام کے لئے ارسال فرمائی ہے۔ طلوعِ اسلام]

نظر کو عشق کے پاک آنسوؤں سے صاف کرے
کوئی جب آنکھ کا رخ جانبِ غلاف کرے

جو عہد کرتا ہو کعبے کی پاسبانی کا
وہ آکے سنگ کو چومے، وہی طواف کرے

بہت ہی تنگ سمجھ لی گئیں حدودِ حرم
کوئی وسیع انھیں قاف تا بہ قاف کرے

حرم کے امن کے دامن کو اتنا پھیلائیں
زمانہ دینِ محبت کا اعتراف کرے

وجود ہی نہیں رہ سکتا ایسی ملت کا
جو اپنے مرکزِ اصلی سے انحراف کرے

جب اتحاد پہ بنیاد اس کی ہے قائم
وہی ہے دین کا دشمن جو اختلاف کرے

ہمارا ضعف ہے ورنہ مجالِ کفر کہاں
کہ آکے دین کی دیواریں شگاف کرے

بپا ہے معرکۂ کفر و دیں زمانے میں
یہ ہے گریز جواب کوئی اعتکاف کرے

ہزار حیف ہے اس شخص پر جو علم کے بعد
عمل مقاصدِ اسلام کے خلاف کرے

جو ہم نے وحدتِ ملت کو پارہ پارہ کیا
یہ وہ خطا ہے کہ شاید خدا معاف کرے

ہے کعبہ مرکزِ ملت، امیر، حبل اللہ
اسد یہ راز ہے کون اس کا انکشاف کرے

اسد ملتانی

سلیم کے نام

(بہ سلسلۂ نظامِ صلوٰۃ)

مجھے پہلے ہی اندازہ تھا، سلیم! کہ یہ سوالات تمہارے دل میں پیدا ہوں گے۔ ایک تو موضوع بہت مشکل اور بسیط تھا۔ پھر جو کچھ میں نے کہا کہ وہ اس قدر روشِ عامہ سے ہٹا ہوا تھا کہ اسے اتنی جلدی اپنا لینا دشوار تھا۔ لہٰذا، ان شکوک و شبہات کا پیدا ہونا ناگزیر۔ لیکن مجھے اس سے بڑی خوشی ہوتی ہے کہ تم اپنی الجھنوں کو اب کھلے کھلے الفاظ میں بیان کر دیتے ہو۔ ان کے سلجھانے کا یہی طریقہ ہوتا ہے۔ اس خط میں، میں تمہارے ان نقاط کی وضاحت مختصر الفاظ میں کرنے کی کوشش کروں گا۔ اگر اس سے تمہارے شبہات رفع ہو گئے تو ہوالمراد۔ ورنہ عندالفرصت، ان امور کے متعلق زیادہ تفصیل سے لکھوں گا۔ وما توفیقی الا باللہ العلی العظیم۔

۱۔ پرستش اور عبادت

سب سے پہلے تو یہ سمجھو کہ جب میں کہتا ہوں کہ قرآن نے اللہ تعالیٰ کی پرستش کا تصور نہیں دیا بلکہ عبادت کا حکم دیا ہے تو اس سے مقصود کیا ہے۔ اس کے لئے پہلے یہ دیکھنا چاہئے کہ پرستش کہتے کسے ہیں؟۔ [یہ یاد رکھو کہ پرستش اور پوجا ایک ہی بات ہے۔ پرستش فارسی کا لفظ ہے اور پوجا ہندی کا۔ مطلب دونوں کا ایک ہے۔ اسی کو انگریزی میں (WORSHIP) کہتے ہیں۔]

کارگہِ فطرت (خارجی کائنات) میں جو کچھ آج تمہاری آنکھوں کے سامنے ہو رہا ہے، یہ کچھ شروع سے ہوتا چلا آ رہا ہے۔ بادل کی گرج، بجلی کی چمک، بارش کا برسنا، آندھیوں کا آنا، آتش فشاں پہاڑوں سے دھوئیں اور آگ کے سیلاب اٹھنا، دریاؤں میں طوفان آنا، سمندر میں مدوجزر پیدا ہونا، سورج کا نکلنا، چاند کا چھپنا۔ وباؤں کا پھیلنا، انسانوں کا مرنا، سب کچھ اسی طرح سے ہوتا تھا۔ بلکہ بعض حالتوں میں آج سے زیادہ شدت اور حدت کے ساتھ۔ یہ سب کچھ تو اس طرح سے ہوتا تھا لیکن انسانی ذہن اپنے عہدِ طفولیت میں تھا۔ اس نے ہنوز وہ پختگی حاصل نہیں کی تھی جو اس میں بعد کے تجربوں نے پیدا کی۔ لہٰذا جو حادثات تمہارے نزدیک آج روزمرہ کا معمول ہیں، وہ اس کے لئے بڑے ہی تحیر انگیز اور محیرالعقول تھے۔ ان واقعات کے اسباب و علل کا سمجھنا اس کے بس کی بات نہ تھا۔ اس لئے وہ ان سے ڈرتا۔ خوف کھاتا۔ لرزتا اور سہم جاتا تھا۔ وہ ان مہیب قوتوں کے سامنے اپنے آپ کو بہت کمزور سمجھتا اور ان کے مقابلہ کی قوت اپنے اندر نہیں پاتا تھا۔ انسان جس قوت کا مقابلہ نہ کر سکتا ہو اس کے شر سے بچنے کے لئے اس کی سمجھ میں دو ہی طریقے آتے ہیں۔ یعنی

یا تو اس کے سامنے گڑگڑا کر اس کے دل میں رحم کے جذبات کو ابھارا جائے اور یا اس کی خوشامد سے اسے راضی کر لیا جائے۔ قدیم زمانے کے انسان نے اپنے آپ کو ان خوفناک قوتوں کے شر سے محفوظ رکھنے کا یہی طریقہ سوچا اور اسی کو اختیار کیا۔ بجلی کڑکی اور اس نے اس کے حضور گڑگڑا کر سجدہ کر دیا تاکہ وہ رحم کھا کر اس کے کھلیان کو بھسم اور اس کے مویشیوں کو تباہ نہ کر دے۔ گھٹائیں امنڈیں اور اس نے ان کی بارگاہ میں تعریف و توصیف کے گیت گانے شروع کر دیئے تاکہ اندر دیوتا خوش ہو کر اس کے کھیت کو سیراب کر دیں۔ آہستہ آہستہ ان غیر مرئی قوتوں کے محسوس پیکر تیار ہونے لگے۔ (انہی کو دیوی دیوتاؤں کی مورتیاں یا بت کہا جاتا ہے) اور گڑگڑانے اور ان کے حضور شردھا (عقیدت) کے گیت گانے کے انفرادی جذبہ نے مرتب رسم کی شکل اختیار کر لی، اسے پوجا یا پرستش کہتے ہیں۔

یہ تصور ذہن انسانی کا تراشیدہ تھا لیکن وحی نے خدا کا تصور اس سے بالکل مختلف دیا۔ ذہنِ انسانی نے خدا کو خود اپنی شکل پر ڈھالا تھا اس لئے وہ ان تمام جذبات کا حامل تھا جو خود انسان کے اندر موجود ہوتے ہیں۔ اسے (انسان کی طرح) غصہ بھی آتا تھا اور رحم بھی۔ وہ ناراض بھی ہو جاتا تھا اور خوش بھی۔ اسے خوشامد پسند تھی۔ وہ ہر وقت اپنی تعریف سننے کا متمنی رہتا تھا۔ لیکن وحی نے خدا کا جو حقیقی تصور دیا وہ ان انسانی جذبات سے بہت بلند اور ان بشری کمزوریوں سے بہت اونچا ہے۔ وہ خدا اتنی بڑی قوتوں کا مالک ہے کہ یہ ساری کائنات اس کے ایک "ارادے" کی مظہر اور اس کے ایک "امر" کی زنجیروں میں جکڑی ہوئی ہے۔ لیکن اس کا یہ ارادہ اور امر کسی مطلق العنان بادشاہ کا حکم نہیں جو نہ کسی قاعدے کا پابند ہوتا ہے نہ قانون کا۔ اس نے اس سارے نظام کو اپنی حکمتِ بالغہ کے ماتحت ایک خاص قانون اور قاعدے کے مطابق چلا رکھا ہے جس سے کسی کو مجال سرتابی نہیں۔ انسان بھی چونکہ اس کائنات کا ایک حصہ ہے اس لئے اس کے لئے بھی قاعدہ اور قانون مقرر ہے۔ فرق یہ ہے کہ انسان کو خدا نے یہ اختیار عطا کر رکھا ہے کہ وہ چاہے تو اس قاعدے اور قانون کے مطابق زندگی بسر کرے اور چاہے تو اس کے خلاف چلا جائے۔ اس قانون کے مطابق زندگی بسر کرنے کا نتیجہ خوشگواریاں اور شادابیاں ہیں۔ اس کے خلاف چلے جانے کا نتیجہ ناکامیاں اور نامرادیاں۔

خدا کے اس قانون کے مطابق زندگی بسر کرنے کا نام (قرآن کی اصطلاح میں) عبادت ہے۔ اس کے معنی ہیں خدا کے حکم کی اطاعت کرنا۔ سورۂ کہف میں دیکھو، کس طرح حکم اور عبادت مرادف طور پر آئے ہیں۔ خدا کے متعلق ہے کہ لا یشرک فی حکمہ احدا (۱۸/۲۶) وہ اپنے حکم میں کسی کو شریک نہیں کرتا۔ اور انسان کے متعلق کہا گیا ہے کہ اسے چاہئے کہ لا یشرک بعبادۃ ربہ احدا (۱۸/۱۱۰) وہ اپنے نشوونما دینے والے کی عبادت میں کسی اور کو شریک نہ کرے۔ لہٰذا توحید کے معنی ہیں خالص خدا کے قانون کی اطاعت کرنا۔ اور شرک کے معنی ہیں، کسی غیر خداوندی قانون کی اطاعت کرنا۔ ڈرنا، اس (عبادت) میں بھی ہوتا ہے لیکن "خدا کے غصے" سے نہیں بلکہ اس کے قانون کے خلاف چلنے کے تباہ کن نتیجے سے۔ تعریف و توصیف اس میں بھی ہے، لیکن یہ تعریف "خدا کی خوشامد" کے طور پر قصیدہ خوانی

نہیں ہوتی بلکہ اس کے قانون کی حسن کاریوں اور اس کے نتائج کی خوشگواریوں کو دیکھکر زبان سے بے ساختہ 'واہ واہ' نکل جانے کا نام ہے۔

وحی نے شروع سے خدا کا یہی تصور دیا تھا لیکن جس طرح انسان نے ہمیشہ وحی میں اپنے تصورات کی آمیزش کردی اسی طرح اس نے خدا کے اس تصور کو بھی اپنے عہدِ طفولیت کے اُن جذبات کے قالب میں ڈھال لیا جن کا ذکر اوپر کیا گیا ہے۔ انسان نے بعض صورتوں میں تو وحی کے الفاظ تک بھی بدل ڈالے لیکن اکثر ایسا بھی ہوا کہ الفاظ تو وہی رہے لیکن ان کا مفہوم یکسر بدل گیا۔ مثلاً تم نے عیسائیوں کے گرجا کے باہر بورڈ پر اکثر لکھا دیکھا ہوگا کہ آج سروس (SERVICE) اتنے بجے شروع ہوگی۔ اس سروس سے مراد ہوتی ہے پرستش۔ تمہیں معلوم ہے کہ یہ لفظ کہاں سے آیا؟ یہودیوں کی قدیم زبان عبرانی (HEBREW) تھی۔ عبادت، عبرانی کا لفظ ہے۔ عبد کے معنی تھے غلام۔ محکوم۔ یا (SERVANT) یعنی حکمبردار۔ اطاعت گذار۔ تابع فرمان۔ لہٰذا عبادت کا ترجمہ کیا گیا (SERVICE) احکام کی اطاعت۔ لیکن جب یہودیوں (اور بعد میں عیسائیوں) کے ہاں وحی کا تصور بدلا تو عبادت اور (SERVICE) کے الفاظ تو وہی رہے لیکن ان کا مفہوم یکسر بدل گیا۔ اب ان الفاظ کے معنی ہوگئے خدا کی پرستش۔ تم ذرا اس ستم ظریفی پر بھی غور کرو کہ جب ہم کہتے ہیں (IN THE SERVICE OF THE CROWN) تو یہاں (SERVICE) کے معنی احکام کی اطاعت ہی ہوتا ہے۔ پرستش نہیں ہوتا۔ لیکن جب ہم یہی لفظ خدا کی طرف منسوب کرکے بولتے ہیں تو وہاں (SERVICE) کے معنی خدا کے حضور عقیدت کے گیت گانے ہوجاتے ہیں۔

یہی لفظ عبادت جب ایران میں پہنچا تو عبد کے معنی بندہ (یعنی غلام) کے ہوئے۔ یہ ٹھیک تھا۔ اور بندہ سے بنا بندگی۔ لہٰذا، عبادت کا ترجمہ ہوا بندگی۔ (یعنی بندہ ہونا۔ غلام ہونا۔ تابع فرمان ہونا)۔ لیکن اب تم دیکھو کہ بندگی کے معنی کیا سے کیا ہوگئے ہیں؟۔ یعنی وہی "پرستش" اب اس لفظ سے ذہن کبھی اس طرف منتقل نہیں ہوتا کہ اس کے معنی "کسی کا بندہ ہونا" ہیں، اور بندہ کے معنی غلام یا تابع فرمان ہیں۔

میں نے یہ مثالیں اس لئے دی ہیں تاکہ تمہیں معلوم ہوجائے کہ تصورات کے بدل جانے سے کس طرح الفاظ اپنا اصلی مفہوم بدل لیتے ہیں۔ قرآن میں عبد کے معنی غلام اور محکوم کے آتے ہیں۔ لہٰذا عبادت کے معنی ہیں خدا کا محکوم ہونا۔ اس کے قانون کی اطاعت کرنا۔

یہ ہے فرق پرستش اور عبادت میں۔

۲۔ خدا کے ساتھ تعلق

ذہنِ انسانی کے تراشیدہ خدا کے ساتھ انسان کا تعلق خالص جذباتی ہوتا ہے۔ وہ روٹھتا ہے تو یہ مناتا ہے۔ وہ بگڑتا ہے تو یہ اس کی خوشامد کرتا ہے۔ اس سے

مطلب براری کے لئے اس کی تعریفیں کرتا ہے۔ کبھی اس کے آستانے پر چڑھاوے چڑھا کر اسے "رشوت" بھی دیتا ہے تاکہ وہ اس کے حق میں (اور اس کے دشمنوں کے خلاف) فیصلے کر دے۔ یعنی اس میں خدا اور انسان کا تعلق وہی ہوتا ہے جو ایک مطلق العنان بادشاہ کا اور اس کی رعایا کا ہوتا ہے۔ لیکن جس خدا کا تصور وحی کے رو سے عطا ہوتا ہے اس میں انسان کا تعلق خدا کے قانون کے ساتھ ہوتا ہے۔ وہ خدا نہ کسی کی رعایت کرتا ہے نہ کسی کے خلاف جاتا ہے۔ نہ روٹھتا ہے نہ منتا ہے، نہ بگڑتا ہے نہ بنتا ہے، نہ اسے رشوت کی ضرورت ہوتی ہے نہ خوشامد کی پرواہ۔ جو اس کے قانون کے مطابق چلتا ہے اپنے سعی و عمل کے تابندہ نتائج سے بہرہ یاب ہو جاتا ہے۔ جو اس کی خلاف ورزی کرتا ہے وہ اپنے کئے کی سزا پاتا ہے۔ جو پیاس کے وقت ٹھنڈا پانی پیتا ہے اسے فرحت و تازگی نصیب ہو جاتی ہے۔ جو آگ میں ہاتھ ڈالتا ہے وہ عذاب الیم میں مبتلا ہو جاتا ہے۔ یہ ہے خدا کے ساتھ انسان کا تعلق۔

۳۔ خدا کا اقتدار

تمہارا اعتراض یہ ہے کہ اگر ہمارا تعلق خدا کے قانون ہی سے ہے تو پھر خدا کا ہونا نہ ہونا برابر ہے اس اعتراض سے تم نے بڑے ہی بچپن کا ثبوت دیا ہے۔ بابا! جب کہا جائے گا "خدا کا قانون" تو اس میں خدا ہر وقت موجود رہے گا یا نہیں۔ اگر خدا نہیں رہے گا تو اس کا قانون کس طرح باقی رہے گا؟ اصل یہ ہے کہ تم اس قسم کا خدا چاہتے ہو جو ہر بات پر الگ الگ حکم دیا کرے۔ اگر وہ اس طرح ہر انسان کی ہر بات پر الگ الگ فیصلے صادر کرتا رہے تو پھر تم مانو گے کہ خدا کا وجود ہے۔ لیکن اگر وہ تمام انسانوں کی تمام باتوں کے فیصلے ایک نہ بدلنے والے قانون کے مطابق کرے تو پھر تمہیں اس کے وجود کا احساس نہیں ہوگا۔ حقیقت یہ ہے کہ ہم اسقدر مطلق العنان شاہنشاہیت کے خوگر ہو چکے ہیں کہ ہمارے نزدیک قوت و اقتدار کا مالک وہی ہوتا ہے جو ہر بات پر الگ فیصلہ دے۔ ہمارے ذہنوں میں صاحب اختیار کا نقشہ یہ ہے کہ "گاہے بہ سلامے برنجند و گاہے بہ دشنامے خلعت بخشند"۔ ہم چونکہ قانون کے مطابق زندگی بسر کرنے کے عادی نہیں اس لئے ہمیں قانون کی قوت کا صحیح اندازہ نہیں ہو سکتا۔

پھر یہ بھی سمجھ لو کہ کائنات میں اپنا قانون نافذ کر کے خدا محض "ریاضی کی اکائی" بن کر نہیں رہ گیا۔ وہ ایک زندہ و پائندہ قوت ہے۔ وہ قوت جو اپنے اس عظیم القدر قانون کو اس طرح نافذ کئے ہوئے ہے اور پھر اس کائنات میں نت نئے اضافے کرتی چلی جاتی ہے۔

۴۔ خدا کی ذات

تم کہتے ہو کہ قانون تو صرف ایک قوت ہوتی ہے۔ اس میں خدا کی ذات کا تصور سامنے نہیں آتا سب سے پہلے تو یہ سمجھ لو کہ اگر خدا کی ذات سے تمہارا مطلب یہ ہے کہ وہ کسی خاص مقام میں تخت پر بیٹھا ہوا ہے تو یہ تصور یکسر غلط ہے۔ مشکل یہ ہے کہ ہم جب بھی کسی ذات (INDIVIDUALITY) یا شخصیت

(PERSONALITY) کا تصور کرتے ہیں، تو اسے ضرور کسی محسوس قالب کے اندر دیکھنا چاہتے ہیں۔ ہمارا ذہن محسوسات کے علاوہ کسی چیز کا تصور کر ہی نہیں سکتا۔ خدا کی ذات ہے لیکن اس کی حقیقت ہمارے محدود ذہن میں نہیں آسکتی۔ البتہ قرآن نے اس کی جو صفات (اسماء الحسنیٰ) بیان کی ہیں ہم انہی کو سمجھ سکتے ہیں۔ یعنی خدا وہ ذات ہے جس کی صفات یہ ہیں۔ اب سوال یہ ہے کہ ان صفاتِ خداوندی کے ذکر کرنے سے کیا مقصود ہے؟ یہ بات ذرا غور سے سننے کی ہے۔

شخصیت (PERSONALITY) چند خصوصیات کی حامل ہوتی ہے۔ جس قدر وہ شخصیت زیادہ مکمل ہوگی اسی قدر اس کی خصوصیات مکمل ہوں گی۔ اسی کا نام اس شخصیت کا استحکام (مستحکم ہونا) ہے۔ خدا کی ذات (یا شخصیت) مکمل ترین مستحکم ترین بلند ترین اور حسین ترین ذات ہے۔

انسان کو بھی خدا نے شخصیت (PERSONALITY) عطا کر رکھی ہے۔ لیکن اس کی یہ شخصیت، خدا کی شخصیت کے مقابلہ میں بہت نیچے ہے۔

ہر نچلی شخصیت (LOWER PERSONALITY) کے لئے ضروری ہے کہ اپنی تکمیل کے لئے اپنے سے بلند شخصیت (HIGHER PERSONALITY) کو بطور نصب العین سامنے رکھے۔ یعنی اپنے سے بلند شخصیت کی صفات کو اپنے اندر اجاگر کرنے کی کوشش کرے۔ انسان کی شخصیت سے بلند چونکہ خدا کی شخصیت ہے اس لئے انسان کو اپنی شخصیت کی تکمیل کے لئے ضروری ہے کہ وہ خدا کی ان صفات کو (جو قرآن میں مذکور ہیں) اپنے اندر مشہود کرتا جائے۔

یہ ہے خدا کی ذات کے ساتھ ہماری ذات کا تعلق۔ یعنی اس کی صفات کا اپنے اندر منعکس کرتے چلے جانا۔ اس کا نام ہے "خدا کے پیچھے پیچھے چلنا" تمہیں معلوم ہے کہ ہم ہر روز دعا مانگتے ہیں کہ اھدنا الصراط المستقیم۔ یعنی اس توازن بردوش راہ کی طرف راہ نمائی کی تمنا جو ہمیں انسانیت کی منزل مقصود تک لے جائے۔ اور سورۂ ہود میں ہے کہ ان ربی علی صراط مستقیم (۱۱/۵۶) "میرا نشوونما دینے والا صراطِ مستقیم پر ہے"۔ تم نے غور کیا کہ اس کا مطلب کیا ہوا؟ یہ کہ خدا جس "صراطِ مستقیم" پر جا رہا ہے اسی صراطِ مستقیم پر چلنے کی تمنا ہم کرتے ہیں۔ ہم اپنی ذات میں (اپنی محدودیت کے مطابق) انہی صفات کی نمود چاہتے ہیں جو خدا کی بلند ترین ذات کی اکمل ترین صفات ہیں۔ اسی کو صلوٰۃ کہتے ہیں۔

۵۔ صلوٰۃ

لیکن یہ چیز انفرادی طور پر حاصل نہیں ہو سکتی۔ یہ قوانینِ خداوندی کی اطاعت سے حاصل ہوتی ہے اور قوانینِ خداوندی کی اطاعت ایک نظام کے بغیر ناممکن ہے۔ خدا کی پہلی صفت (جس کا ذکر قرآن میں آیا ہے) رب العالمینی ہے اور ظاہر ہے کہ انسان کے اندر اس صفت کی نمود، ایک نظام کے بغیر ناممکن ہے۔ یہ وجہ ہے کہ میں قرآن کی جامع اصطلاح "اقیموا الصلوٰۃ" کی وضاحت کے لئے "نظامِ صلوٰۃ کا قیام" کہا کرتا ہوں۔ وحی سے دور افتادہ ذہنِ انسانی نے یہ سمجھا کہ انسان کے اندر، خدا کی صفات، "گیان دھیان" (مراقبوں اور گوشہ نشینوں) سے

منعکس ہوتی ہیں۔ وحی نے کہا کہ نہیں۔ یہ صفات معاشرہ کے اندر رہنے اور انسانوں کے ساتھ معاملہ کرنے سے پیدا ہوتی ہیں۔ جو معاشرہ خدا کے قانون (قرآنی خطوط) پر تشکل ہوگا اس میں خدا کی صفات انسانوں کے اندر جلوہ بار ہوتی چلی جائیں گی۔ یہی "خدا کے پیچھے پیچھے چلنا ہے" اسی کا نام نظامِ صلوٰۃ ہے۔

ظاہر ہے کہ اس قسم کے نظام کے لئے افرادِ معاشرہ کے اجتماعات کی ضرورت ہوگی۔ ان اجتماعات کے پیشِ نظر یہ ہوگا کہ

(۱) دنیا میں کس طرح اس نظام کو رائج کیا جائے جس کا مقصد تمام نوعِ انسانی کی ربوبیت ہے۔ اور

(۲) ہم اپنے اندر کس طرح ان صفاتِ خداوندی کو اجاگر کریں جس سے ہماری ذات کی تکمیل ہوتی جائے۔ (یعنی اس کی ممکن قوتیں مشہود ہوتی جائیں)۔ ظاہر ہے کہ ان اجتماعات کا انداز، ہمارے ہاں کی عام میکانیکل کانفرنسوں سے بالکل مختلف ہوگا۔ ان میں اوپر نیچے، دائیں بائیں، اول و آخر، خدا کی صفات اور اس کے قوانین کا تصور چھایا ہوا ہوگا۔ اور ہر بات اور ہر حرکت اسی نورانی تصور کے اندر ہوگی۔ جب میں نے کہا تھا کہ یہ اجتماعات نظامِ خداوندی کے مشاورتی اجتماعات ہوتے ہیں تو اس کا مطلب یہ تھا کہ یہ اجتماعات ایشور کی بھگتی یا خدا کی پرستش کے وہ اجتماعات نہیں ہوتے جن میں "دنیا داری" کی باتیں ممنوع ہوتی ہیں۔ دین کے قرآنی تصور کی رو سے، دنیا کا ہر کام جو قانونِ خداوندی کے مطابق کیا جائے عینِ عبادت ہوتا ہے اس لئے کہ عبادت کا عملی مفہوم قوانینِ خداوندی کی اطاعت ہے۔

۶۔ رکوع و سجود

اب رہا تمہارا یہ سوال کہ ان اجتماعات میں رکوع و سجود وغیرہ سے مقصود کیا ہے۔ سو سب سے پہلے تو یہ سمجھ لو کہ عبادت کی طرح سجدہ کے معنی بھی خدا کے قوانین کے سامنے سرِ تسلیم خم کرنا ہیں۔ یعنی ان قوانین کی عملی اطاعت۔ قرآن نے تمام اشیائے کائنات کے متعلق کہا ہے کہ یسجد للہ ما فی السمٰوٰت وما فی الارض۔ کائنات کی پستیوں اور بلندیوں میں جو کچھ ہے سب خدا کے حضور سجدہ ریز ہے۔ اس کے معنی یہی ہیں کہ وہ قوانینِ خداوندی کی پوری پوری اطاعت کرتے ہیں۔ اسی کو ان کی صلوٰۃ اور تسبیح کہا گیا ہے۔ کل قد علم صلاتہ وتسبیحہ (۲۴/۴۱) اسی طرح جب مومنین کے متعلق کہا ہے کہ وہ الراکعون الساجدون (۹/۱۱۲) ہوتے ہیں تو اس کے معنی یہ نہیں کہ وہ ہر وقت رکوع میں جھکے یا سجدے میں پڑے رہتے ہیں۔ اس کا صحیح مفہوم ان سے اگلے الفاظ نے خود بیان کر دیا ہے جن میں بتایا گیا ہے کہ وہ الآمرون بالمعروف والناھون عن المنکر والحافظون لحدود اللہ (۹/۱۱۲) ہوتے ہیں۔ یعنی دنیا میں قانونِ خداوندی کے نافذ کرنے والے اور غیر خدائی قوانین سے لوگوں کو باز رکھنے والے۔ یعنی حدود اللہ (قوانینِ الٰہیہ) کی حفاظت کرنے والے۔ انہی کو پہلے التائبون العٰبدون الحامدون (۹/۱۱۲) کہا گیا ہے۔ یعنی غلط راستوں سے منہ موڑ کر خالص قوانینِ خداوندی کی اطاعت کرنے والے اور اس اطاعت کے خوشگوار نتائج کو دیکھ کر پیکرِ حمد و ستائش بن جانے والے۔ اس سے ظاہر ہے کہ رکوع و سجود کا مفہوم بھی عبادت ہی ہے۔ یعنی قوانینِ خداوندی کی اطاعت اور بہ طیبِ خاطر اطاعت۔ لیکن

بطیب خاطر اطاعت ناممکن ہے جب تک انسان کا دل اطاعت کے جذبات سے لبریز نہ ہو۔ اسی کو دل کا جھکاؤ کہا جاتا ہے۔ اس کے ساتھ ہی یہ بھی حقیقت ہے کہ انسانی نفسیات کا تقاضا ہے کہ دل کے جذبات کی نمود جسمانی حرکات سے ہوتی ہے۔ لہٰذا رکوع و سجود ان جسمانی حرکات کا بھی نام ہے جن سے قلبِ اطاعت شعار کے جذبات کا مظاہرہ ہوتا ہے۔ ان اجتماعات میں ان انسانی جذبات کی تسکین کا سامان بھی رکھا گیا ہے۔ یہ ہے رکوع و سجدہ کا مقصد۔

میں نے جب کہا تھا کہ جماعتِ مومنین کے دل میں یہ جذبات والہانہ طور پر پیدا ہوتے ہیں اور اسی شیفتگی سے ان کا مظاہرہ ہوتا ہے تو اس کا مطلب یہ نہیں تھا کہ یہ لوگ "حال کھیلنے لگ جاتے ہیں"۔ قرآنی نظام کی بنیادی خصوصیت یہ ہے کہ اس میں انسانی جذبات کو بے زمام نہیں ہونے دیا جاتا بلکہ انھیں خاص نظم و ضبط کے تابع رکھا جاتا ہے۔ اس لئے اطاعت شعاری اور قانون پذیری کے جو جذبات جماعتِ مومنین کے دل میں والہانہ طور پر پیدا ہوتے ہیں ان کے مظاہرہ کو اجتماعی تادیب میں محصور رکھا جاتا ہے۔ اس لئے ان کی صلوٰۃ کا قیام و رکوع و سجود، نظم و ضبط کی حسین تصویر اور اطاعتِ امام کا زندہ پیکر ہوتا ہے۔

اسے پھر سمجھ لو کہ مومن کا سجدہ، پیشانی کو زمین پر رکھ دینے سے ختم نہیں ہو جاتا۔ اس کی ساری زندگی سجدہ میں گذرتی ہے یعنی قوانینِ خداوندی کی اطاعت میں، اسلئے وہ زندگی کے ہر سانس اور مصافِ حیات کے ہر گوشے میں عابد اور ساجد ہوتا ہے ولا تموتن الا وانتم مسلمون (۳:۱۰۲) انہی کے لئے آیا ہے۔ یعنی پوری زندگی قوانینِ خداوندی کی اطاعت میں گذارنے والے۔

۷۔ تاریخ کی حقیقت اب تمہاری آخری بات کا جواب باقی ہے۔ تم کہتے ہو کہ میں تاریخ سے "اپنے مطلب" کے واقعات کو بطور شہادت پیش کر دیتا ہوں اور جو اس کے خلاف جاتے ہیں انھیں ظنی کہکر ٹھکرا دیتا ہوں۔ جو کچھ تم نے کہا ہے وہ درست بھی ہے اور غلط بھی۔ یہ درست ہے کہ میں تاریخ کے بعض واقعات کو قبول کر لیتا ہوں اور بعض کو ٹھکرا دیتا ہوں۔ لیکن یہ غلط ہے کہ میں انھیں قبول کرتا ہوں جو "میرے مطلب کے" ہوتے ہیں۔ تاریخ کے متعلق میں پہلے (کئی بار) لکھ چکا ہوں کہ تاریخ ظنی شے ہے۔ اب سوال یہ ہے کہ اس ظنی شے میں سے کونسی بات قابلِ قبول ہو سکتی ہے اور کونسی رد کر دینے کے قابل۔ سو اس کا جواب آسان ہے۔ یعنی

(۱) قرآن ہمارے پاس ایک یقینی اور حتمی معیار ہے۔

(۲) ہمیں اس پر بھی یقین ہے عہدِ محمد رسول اللہ والذین معہٗ میں قرآن پر عمل ہوتا تھا۔

(۳) اُس دور کی تاریخ میں غلط باتیں بھی ہیں اور صحیح بھی۔

(۴) ہمیں چاہئے یہ کہ اُس دور کی تاریخ کو قرآن کے معیار پر پرکھ کر دیکھیں۔ جو کچھ اس کے مطابق ہو اسے باور کر لیں کہ صحیح ہے اور جو کچھ اس کے خلاف ہو اس کے متعلق بلا تامل کہدیں کہ یہ اقوال و اعمال ان حضرات کے نہیں ہو سکتے۔ لہٰذا

یہ ناقابلِ قبول ہیں۔

میں یہی کرتا ہوں۔ میں پہلے قرآن کے ایک اصول کو اچھی طرح سے سمجھنے کی کوشش کرتا ہوں اور اس کے بعد تاریخ کو لیتا ہوں۔ اگر اس میں مجھے کوئی واقعہ منشائے قرآن کے مطابق ملتا ہے تو میں اسے قبول کر لیتا ہوں اور جو باتیں اس کے خلاف ملتی ہیں انھیں یہ کہہ کر چھوڑ دیتا ہوں کہ چونکہ یہ قرآن کے خلاف ہیں اس لئے یہ ان حضرات کی باتیں ہو نہیں سکتیں، جن کا عمل قرآن کے مطابق ہوتا تھا۔ تاریخ کی ان شہادتوں کو بھی میں محض تائیداً پیش کرتا ہوں نہ کہ اصلاً و اساساً۔ اصل و اساس تو صرف ایک ہی ہے۔ اور وہ خدا کی کتاب ہے۔ تاریخ تو ایک طرف۔ مجھے اگر دیانند کی کسی کتاب میں بھی کوئی بات ایسی مل جائے جو قرآن کے مطابق ہو تو میں بلا تامل کہہ دوں گا کہ وہ سچی بات ہے۔ اس کے برعکس، اگر کوئی شخص ایسی بات کہے جو قرآن کے خلاف ہو اور اس کی تائید میں کہے کہ وہ حدیثِ قدسی ہے تو میں یہ کہہ کر اسے ٹھکرا دوں گا کہ یہ نہ خدا کا ارشاد ہو سکتا ہے نہ اس کے رسول کا فرمان۔ کیونکہ یہ قرآن کے خلاف ہے جو یقینی اور حتمی طور پر خدا کا ارشاد ہے۔

وبذالك امرت وانا اول المسلمين

امید ہے ان اشارات سے تمہارے نکات کی وضاحت ہو گئی ہو گی۔ اگر اب بھی کوئی خلش باقی ہو تو مجھے پھر لکھو۔ واللہ المستعان

والسلام

پرویز

دیکھئے۔ اپنا خریداری نمبر تلاش کیجئے!

ستمبر ۱۹۵۴ء کی اس اشاعت کے ساتھ آپ حضرات کا چندہ (جن کے نمبر خریداری درج ذیل ہیں) ختم ہو گیا ہے۔ لہٰذا آئندہ ماہ اکتوبر ۱۹۵۴ء کا پرچہ آپ کی خدمت میں وی پی بھیجا جائیگا۔ اگر آپ مناسب خیال فرمائیں تو ۲۰ ستمبر ۱۹۵۴ء سے پہلے پہلے آپ اپنا چندہ بذریعہ منی آرڈر ارسال فرما دیں کہ اس میں ادارہ کو سہولت اور آپ کو کفایت ہے اور اگر کسی وجہ سے خدانخواستہ آپ رسالہ کی خریداری آئندہ جاری رکھنے کا ارادہ نہ رکھتے ہوں تو بھی ۲۰ ستمبر سے پہلے پہلے ادارہ کو اپنے اس فیصلہ سے مطلع فرما دیں ورنہ ادارہ کی طرف سے مرسلہ وی پی کو وصول فرمانا آپ کا اخلاقی فریضہ ہو گا۔ فہرست خریداران جن کا چندہ ماہ ستمبر کی اشاعت کے ساتھ ختم ہو رہا ہے۔

۱۶۵ - ۳۷۲ - ۳۷۹ - ۵۲۷ - ۵۵۸ - ۸۹۳ - ۱۰۷۲ - ۱۰۷۸ - ۱۰۷۹ - ۱۰۸۱ - ۱۰۸۲ - ۱۰۸۹ - ۱۰۹۵ - ۱۰۹۷ - ۱۱۰۳ - ۱۱۱۶ - ۱۱۱۸ - ۱۱۲۱ - ۱۱۲۲ - ۱۱۲۹ - ۱۱۳۰ - ۱۵۷۹ - ۱۵۸۰ - ۱۵۹۲ - ۱۶۰۴ - ۱۶۰۶ - ۱۶۱۲ - ۱۶۱۳ - ۱۶۱۴ - ۱۶۱۵ - ۱۶۱۶ - ۱۶۱۷ - ۱۶۱۸ - ۱۶۱۹ - ۱۶۲۱ - ۱۶۲۳ - ۱۶۲۴ - ۱۶۲۵ - ۱۶۲۸ - ۱۶۲۹ - ۱۶۳۰ - ۱۶۳۱ - ۱۶۳۲ - ۱۶۳۳ - ۱۶۳۴ - ۱۶۴۰ - ۱۶۴۱ - ۱۶۴۴ - ۱۶۴۵ - ۱۶۴۷ - ۱۶۴۸ - ۱۶۶۶ - ۱۶۸۶ - ۱۶۸۷ - ۱۶۹۳ - ۱۷۱۶ - ۲۰۲۶ -

حکومت کی زکوٰۃ کمیٹی

مارچ ۱۹۵۰ء میں حکومت پاکستان نے ایک کمیٹی متعین کی تھی تاکہ وہ اس مسئلہ پر غور کرے کہ زکوٰۃ کی حیثیت کیا ہے اور آیا اسے رضامندانہ طور پر حکومت کے زیر انتظام جمع کیا جا سکتا ہے؟ یہ کمیٹی حسب ذیل حضرات پر مشتمل تھی۔ ملک خدا بخش خانصاحب (جن کا بعد میں انتقال ہوگیا)۔ ڈاکٹر خلیفہ عبدالحکیم۔ بیگم شاہنواز۔ محمد ہاشم گزدر۔ مفتی محمد شفیع۔ محمد اسرائیل صاحب۔ مولانا عبدالخالق۔ مولانا جعفر حسین مجتہد۔ ڈاکٹر حمید اللہ۔ مولانا حبیب اللہ۔ ممتاز حسن صاحب۔ اور وقار احمد صاحب (معتمد)

اس کمیٹی نے ایک سوالنامہ مرتب کیا جسے مشہور علماء، سیاست داں حضرات، ماہرین تعلیم، ہائی کورٹ اور وفاقی عدالت کے حاکمانِ اعلیٰ، نیز دیگر مشاہیر کو بھیجا گیا۔ پاکستان کے علاوہ یہ سوالنامہ دیگر اسلامی ممالک کے مشاہیر کے پاس بھی بھیجا گیا۔ اس سوالنامہ کے تقریباً پچاس جوابات موصول ہوئے جن میں سے ایک ایران سے اور ایک شام سے اور دو مصر سے آئے۔ ان جوابات پر غور و خوض کرنے کیلئے کمیٹی کے مختلف اجلاس ہوئے اور نومبر ۱۹۵۱ء میں کمیٹی نے اپنے آخری اجلاس میں اپنی رپورٹ مرتب کرلی۔ اب قریب پونے تین سال کے بعد یہ پچیس تیس صفحے کی رپورٹ حکومت کے غیر معمولی گزٹ میں شائع ہوئی ہے۔ اس سے آپ کو کم از کم اتنا اندازہ ہو جائے گا کہ ہماری حکومت کی مشینری کی سست خرامی کس سطح تک پہنچ چکی ہے۔ جس حکومت کو پچیس تیس صفحے کی رپورٹ شائع کرنے کے لئے قریب پورے تین سال کا عرصہ درکار ہو اس کے نظم و نسق کا خدا حافظ۔

اس رپورٹ کا ماحصل اسقدر ہے کہ حکومت خاص ٹکٹ چھاپے جو مختلف مقامات پر فروخت کیلئے موجود ہوں اور جو شخص چاہے وہ اپنے زکوٰۃ کے روپیہ سے ان ٹکٹوں کو خرید لے۔ یہ ٹکٹیں ان کے روپیہ کی گویا رسیدیں ہیں۔ زکوٰۃ کی مد میں حکومت کو روپیہ ادا کرنے والے کو حکومت کے کسی ٹیکس سے کوئی معافی نہیں ملے گی۔ کیونکہ

> زکوٰۃ چونکہ اللہ کے حضور ایک مالی نذرانہ ہے اس لئے اسے اگر مملکت کی اقتصادی ضروریات کیلئے صرف کر دیا جائے تو یہ چیز قرآن کے منشاء کے خلاف ہوگی۔

یہ کمیٹی کی سفارش تھی جس کے بعد گزٹ میں لکھا ہے کہ

> حکومت کو اس سفارش سے اتفاق ہے۔

یہ ہے ماحصل اس کمیٹی کے غور و خوض کا جو ملک کے مفکرین، ماہرین اقتصادیات اور حضرات علمائے کرام پر مشتمل تھی اور جس پر نہ معلوم حکومت کا کسقدر روپیہ صرف ہوا ہوگا۔ اس چیز کو بھی پیش نظر رکھئے کہ اس نتیجہ تک پہنچنے کے لئے دیگر اسلامی ممالک کے مشاہیر سے بھی استصواب ضروری سمجھا گیا اور ان کے جوابات بھی موصول ہوئے۔ گویا یہ فیصلہ صرف پاکستان کے علماء کرام اور مفکرین عظام ہی کا نہیں، اس میں خیر سے دوسرے اسلامی ممالک کے اربابِ فکر و نظر بھی شامل ہیں۔

ارکان کی اکثریت نے زکوٰۃ کی حسب ذیل تعریف کی ہے ۔

زکوٰۃ ایک معین حصہ مال ہے جو شارع کے تعین کے موافق اس کے معین کردہ مصارف کیلئے خالصۃً للہ بلامعاوضہ دیا جائے۔

اس تعریف کی تشریح میں انھوں نے کہا ہے کہ

زکوٰۃ کی فرضیت اصل میں محض ایک مالی عبادت کی حیثیت سے ہوئی ہے جس کا اصل مقصد مسلمانوں کے نفوس اور اموال کی تطہیر اور فقراء و مساکین کی حاجت روائی، ضروریاتِ مملکت میں اس کے مفید ثمرات ایک ثانوی درجہ رکھتے ہیں ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ جس طرح کلمۂ شہادت اور نماز اور روزہ اور حج خالص عبادات ہیں اسی طرح زکوٰۃ ایک خالص عبادت ہے، اس کا ادا کرنا مسلمانوں پر فرض ہے۔ خواہ کوئی مملکت قائم ہو یا نہ ہو اور ان کی ضروریات اس سے پوری ہوں یا نہ ہوں۔ مملکت کی تمام ضروریات پورا کرنے کیلئے اسلام میں دوسرے مدات ہیں۔ تمام ضروریاتِ مملکت پورا کرنے کیلئے زکوٰۃ جاری کرنے کا تصور قرآن اور حدیث کے منشا اور جمہوریت کے مسلّمات کے بالکل خلاف ہے۔

یعنی کمیٹی کی رائے میں زکوٰۃ محض ایک عبادت ہے جسے حکومت کے مقاصد سے کوئی واسطہ نہیں۔ حکومت اپنے کاموں کیلئے ٹیکس عائد کرے اور خدا کا ٹیکس اس سے الگ ادا کیا جائے۔ بالفاظ دیگر خدا کا حصہ خدا کو دیا جائے اور قیصر کا قیصر کو۔ ان دونوں کو آپس میں ملایا نہیں جا سکتا

بعض اراکین نے زکوٰۃ کی یہ تعریف بھی کی ہے کہ

زکوٰۃ ان تمام محصولات کا مجموعی نام ہے جو ایک اسلامی حکومت قرآن کریم کے معین کردہ انفرادی و ملی مقاصد و اغراض کو پورا کرنے کیلئے عائد کرے۔

لیکن اراکین کی اکثریت نے اس بدعت کو ٹھکرا دیا اور خدا اور قیصر کی ثنویت کو قائم رکھنے پر مصر رہی۔ اور طرفہ تماشا یہ کہ خود حکومت نے بھی انہی سے اتفاق کیا جو اس ثنویت کو قائم رکھنا چاہتے ہیں، حالانکہ اسی رپورٹ کے ابتدا میں یہ بھی لکھا ہے کہ

دراصل اسلامی تعلیمات کا مرکزی اصول یہ ہے کہ وہ تصحیح فکر کرتا اور حیاتِ صالح کے قیام کے لئے زمین ہموار کرتا ہے۔ چنانچہ امور دنیا کو جن میں معاشی امور بھی داخل ہیں احکام خداوندی کے تحت پورا کرنا عین دین اور بحکم عبادت قرار دیا گیا ہے۔

ذرا غور فرمائیے کہ رپورٹ کی تمہید میں یہ لکھا گیا ہے کہ امور دنیا کو احکام خداوندی کے تحت پورا کرنا عبادت ہے اور اس کے بعد رپورٹ میں سفارش یہ کی گئی ہے کہ زکوٰۃ ایک عبادت ہے جسے امور دنیا سے کوئی واسطہ نہیں اور یہ رپورٹ خود حکومت کی طرف سے شائع ہو رہی ہے۔ یہ تضاد درحقیقت اس کشمکش کا آئینہ دار ہے جس میں ہماری حکومت اسوقت بری طرح سے مبتلا ہے۔ ایک طرف ان کے سامنے زمانے کے تقاضے ہیں جو انھیں مجبور کرتے ہیں کہ امور مملکت کی سرانجام دہی کیلئے کوئی معقول روش اختیار کی جائے۔ دوسری طرف ان کے سینہ پر مُلّا کا کابوس سوار ہے جسے الگ کرنے سے انھیں خطرہ ہے کہ عوام میں ان کی مقبولیت جاتی رہے گی۔ کیونکہ زمانے کے تقاضوں اور مُلّا کے مذہب میں توافق ناممکن ہے اس لئے اس قسم کے تضادات کا پیدا ہونا ناگزیر ہے۔ ان تضادات کا حل صرف ایک جرأت مندانہ اقدام سے ممکن تھا یعنی وہ جرأت مندانہ اقدام جس سے حضرت عمرؓ کی طرح یہ کہہ دیا جاتا کہ "حسبنا کتاب اللہ" ہمارے لئے قرآن کافی ہے ہمیں مُلّا کی خود ساختہ شریعت کی ضرورت نہیں۔

اور یا مصطفےٰ کمال کی طرح یہ کہدیا جاتا کہ ہمارے لئے سوئس کوڈ (سوئٹزرلینڈ کا قانون) کافی ہے۔ اول الذکر سے دنیا اور آخرت دونوں سنور جاتے، اور ثانی الذکر سے کم از کم مفاد عاجلہ ہی حاصل ہو جاتا۔ لیکن یہ روش جو یہاں اختیار کی جا رہی ہے اس کا نتیجہ خَسِرَ الدُّنْیَا وَ الْاٰخِرَۃَ کے سوا اور کچھ نہیں۔ اس روش نے پاکستان کو یہاں تک پہنچا دیا ہے اور اس کے بعد پتہ نہیں یہ اسے کہاں تک پہنچا کر چھوڑے گی۔ ایک طرف امورِ مملکت کے تقاضے ہیں جو روپیہ ہی سے پورے ہو سکتے ہیں۔ لیکن دوسری طرف ملا کی شریعت کا فتویٰ ہے کہ

زکوٰۃ عبادت ہے اور نماز کی طرح اس کے ارکان اور احکام جو پیغمبر خدا صلعم کی طرف سے معین کئے گئے ہیں، ان میں معاشی اصول کی تبدیلی کے باوجود کوئی تغیر نہیں ہو سکتا۔

حتیٰ کہ زکوٰۃ کی شرح کے متعلق بھی ارشاد ہے کہ

جمہور ائمہ و فقہاء کی بربنائے نصوصِ شرعیہ یہی رائے رہی ہے کہ جس طرح نصاب میں تبدیلی نہیں ہو سکتی اسی طرح شرح میں بھی تبدیلی نہیں ہو سکتی۔

حتیٰ کہ مصارفِ زکوٰۃ کے متعلق بھی ان کا ارشاد ہے کہ

مصارفِ زکوٰۃ انہی محدود معنی میں مستعمل ہیں جو جمہور مسلمین اور ائمہ مجتہدین کے نزدیک معروف چلے آئے ہیں۔

حکومت میں اتنی جرأت کہاں کہ وہ یہ کہہ سکے کہ ائمہ و فقہا کی آراء ابدی قانون کا درجہ نہیں رکھتیں اسلئے ہم پر ان کی پابندی لازم نہیں۔ ابدی قانون صرف خدا کی کتاب میں ہے اسلئے ہم اسی کی اتباع کریں گے ـــــ لیکن یہ لوگ یہ بات تو اسی صورت میں کہہ سکتے تھے کہ انہیں معلوم ہوتا کہ خدا کی کتاب میں کیا قانون درج ہے۔ انھوں نے اسے بھی ملا کی شریعت کی کتاب سمجھ رکھا ہے۔ ان حالات کے ماتحت ان کیلئے بچاؤ کی صورت یہی ہو سکتی تھی کہ یہ فیصلہ کر لیتے کہ زکوٰۃ خدا کیلئے ہے اور ٹیکس حکومت کیلئے۔ یعنی وہ فیصلہ جسے مٹانے کیلئے اسلام آیا تھا۔

اس مقام پر آپ کے دل میں لازماً یہ سوال پیدا ہوگا کہ قرآن کی رو سے زکوٰۃ کا مفہوم کیا ہے۔ خوش قسمتی سے زکوٰۃ کمیٹی نے اپنا سوالنامہ محترم پرویز صاحب کے پاس بھی بھیجا تھا، انھوں نے اپنے جواب میں بتایا تھا کہ قرآن کی رو سے زکوٰۃ کا مفہوم کیا ہے۔ ان کا یہ جواب طلوع اسلام کی اکتوبر ۱۹۵۰ء کی اشاعت میں شائع ہوا تھا۔ ہم اس جواب کو آئندہ صفحات میں دوبارہ درج کرتے ہیں تاکہ یہ واضح ہو جائے کہ جس سوال کے حل کیلئے حکومت کو اتنی بڑی کمیٹی مقرر کرنا پڑی اور جس کمیٹی نے وہ حل پیش کیا جسے مٹانے کیلئے اسلام آیا تھا قرآن نے اس کی کیا صورت بتائی ہے۔ کمیٹی کے سامنے قرآن کا یہ حل بھی موجود تھا لیکن ائمہ اور فقہاء کی آراء کے مقابلہ میں وہ قرآن کو کیا وقعت دیتے۔ قرآن ثواب کیلئے ہے اور فقہاء کی آراء عمل کے لئے یہی دنیا کی ہر تباہ ہونے والی قوم نے کیا اور یہی کچھ یہ کر رہے ہیں۔ اور دلچسپ بات یہ ہے کہ یہ فقہاء بھی کسی مسئلے میں متفق الرائے نہیں ہوتے چنانچہ اس کا اعتراف خود اس رپورٹ میں موجود ہے:

روایاتِ حدیث اور اقوالِ سلف اس مسئلہ میں مختلف ہیں اسی بنا پر فقہاء میں اختلاف ہے۔

اور یہ فقہاء اور احادیث اہل سنت والجماعت ہی کے ہیں۔ چنانچہ شیعہ حضرات کا تعلق ہے رپورٹ کے ہر پیرے میں ان کی اختلافی آراء موجود ہیں۔ بہرحال آپ اب وہ جواب ملاحظہ فرمائیے جس کا اوپر ذکر کیا گیا ہے۔

زکوٰۃ

ایک اہم اور اصولی بحث

[شائع شدہ اکتوبر ۱۹۵۰ء]

پرویز

حکومت پاکستان نے ایک زکوٰۃ کمیٹی مقرر کی ہے تاکہ وہ زکوٰۃ کی وصولی اور خرچ کے مسئلہ پر غور و تحقیق کرے۔ اس کمیٹی نے ایک سوالنامہ مرتب کیا ہے جو زکوٰۃ کی جزئیات سے متعلق بہت سے امور پر مشتمل ہے۔ مثلاً زکوٰۃ کی تعریف کیا ہے؟ کن کن لوگوں پر زکوٰۃ واجب ہوتی ہے؟ زکوٰۃ کس طرح ادا کرنی چاہئے؟ زکوٰۃ کی رقم کن مصارف میں خرچ ہونی چاہئے؟ کیا موجودہ حالات کے پیش نظر نصاب اور زکوٰۃ کی شرح میں تبدیلی ہو سکتی ہے؟ وغیرہ۔ سکریٹری زکوٰۃ کمیٹی نے یہ سوالنامہ میرے پاس بھی بھیجا ہے کہ میں امور مستفسرہ کے متعلق اپنے خیالات کا اظہار کروں۔ میں نے اس سوالنامہ کے جواب میں جو "یادداشت" سکریٹری زکوٰۃ کمیٹی کو بھیجی ہے اسے طلوعِ اسلام میں شائع کرنا فائدہ سے خالی نہ ہوگا۔ کیونکہ اس میں ایسے نکات آگئے ہیں جو اس مسئلہ پر ایک خصوصی انداز سے روشنی ڈالتے ہیں۔ سوالنامہ اور اس کا جواب انگریزی میں تھا۔ ذیل میں اس جواب کا آزاد ترجمہ بعض تشریحی اضافوں کے ساتھ پیش کیا جاتا ہے۔

زکوٰۃ کمیٹی کی تشکیل، اس کے ذمہ عائد کردہ فرائض اور سوالنامہ کی تفاصیل سے مترشح ہوتا ہے کہ حکومت کا غالباً خیال یہ ہے کہ اس کے ذمے مملکتِ پاکستان کی رعایا کے "دنیاوی امور" کا انصرام ہے جس کے لئے وہ مختلف مدات سے اپنی آمدنی کی تحصیل کرتی ہے اور اس آمدنی کو اپنی صوابدید کے مطابق مناسب مقامات پر خرچ کرتی ہے۔ لیکن کچھ ایسے "مذہبی امور" ہیں جو حکومت کے دائرۂ عمل و نفوذ سے باہر ہیں۔ ان امور کے لئے "مذہب" نے ایک خاص ذریعۂ آمدنی متعین کیا ہے جسے زکوٰۃ کہتے ہیں اور اس مد سے حاصل شدہ آمدنی کو "مذہبی امور" ہی پر صرف کیا جا سکتا ہے۔ اگر حکومت کے ذہن میں کچھ اس قسم کا تصور ہے تو معاف فرمائیے یہ تصور ایک بہت بڑی غلط فہمی پر مبنی ہے اور قرآن کے منشاء کے یکسر خلاف۔ قرآن "دنیاوی امور" اور "مذہبی امور" میں کوئی فرق نہیں کرتا۔ حقیقت یہ ہے کہ مذہب کا لفظ ہی غیر قرآنی ہے۔ قرآن نے یہ لفظ کہیں استعمال نہیں کیا۔ قرآن نے مسلمانوں کو مذہب[1] نہیں دیا، دین عطا فرمایا ہے اور دین کے معنی آج کی اصطلاح میں نظامِ معاشرت (SOCIAL ORDER) یا نظامِ مملکت (SYSTEM OF STATE) ہیں۔

---

[1] اہل مغرب قرآنی زندگی سے واقف نہیں تھے اس لئے انہوں نے اسلام کے لئے بھی RELIJION ہی کا لفظ اختیار کیا۔ لیکن اس میں ان کا بھی کیا قصور ہے جب ہم نے خود اسلام کو مذہب کے نام سے تعبیر کرنا شروع کر دیا ہے۔

قرآن، توحید سکھاتا ہے جس سے مفہوم یہ ہے کہ انسان کی موجودہ اور آنے والی زندگی سے متعلق قوانین کا سرچشمہ ایک ہی ہے۔ لہٰذا ان میں تفریق ثنویت پر مبنی ہے جو قرآن کی رو سے شرک ہے۔ بنابریں دین انسانی زندگی کے ہر شعبہ پر حاوی ہے اور اس میں "قیصر اور خدا" کے حصوں کی تفریق زمانہ قبل از اسلام کے مذہبی تصور کی پیدا کردہ ہے۔ اسلام اس تفریق کو مٹانے کے لئے آیا تھا لیکن جب مسلمانوں میں ملوکیت آگئی تو انھوں نے "قیصر اور خدا" کی مملکتوں کو پھر سے الگ کر دیا۔ دنیا اور مذہب کی یہی ثنویت (DUALISM) اس وقت سے آج تک مسلمانوں میں چلی آرہی ہے چنانچہ اس وقت بھی جو کچھ عام طور پر مذہب کے نام سے کیا جا رہا ہے یا جو کچھ کرنے کے ارادے ظاہر کئے جا رہے ہیں وہ بھی اسی تفریقی مسلک کے شواہد ہیں۔ لہٰذا جب تک اس ثنویت کو ذہنوں سے دور نہیں کیا جائے گا نہ تو اسلام کے متعلق صحیح تصور قائم ہو سکے گا اور نہ ہی ہماری عملی دنیا میں صحیح اسلامی قوانین رائج ہو سکیں گے۔ زکوٰۃ کا قرآنی مفہوم بھی اسی صورت میں سمجھ میں آسکتا ہے جب دین سے متعلق قرآن کے اس صحیح تصور کو سامنے رکھا جائے۔ لہٰذا زکوٰۃ کی قرآنی تشریح سے پہلے یہ ضروری ہے کہ دین کا بنیادی تصور سامنے لایا جائے۔

دین کا بنیادی تصور یہ ہے کہ دنیا میں ایک ایسا نظام قائم کیا جائے جس کی رو سے ہر فرد انسانی کیلئے اس کی فطری صلاحیتوں کے مکمل طور پر نشوونما پانے کے مواقع یکساں طور پر موجود ہوں۔ اس نظام کو قرآنی مفہوم میں نظامِ ربوبیت کہا جاتا ہے اور جو وحدتِ خالق اور وحدتِ خلق کے محکم اصول پر مبنی ہے۔ چونکہ اس قسم کا نظامِ ربوبیت قائم نہیں ہو سکتا جب تک کہ رزق کے تمام سرچشمے اس جماعت کے ہاتھ میں نہ ہوں جو اس قرآنی نظام کے قیام کی ذمہ دار ہے اسلئے اس جماعت کے لئے تمکن فی الارض ناگزیر ہے۔ یہی وہ منشاء اور غایت ہے جس کے لئے قرآن چاہتا ہے کہ اسلامی حکومت وجود میں آئے۔ یعنی اسلامی حکومت کا فریضہ یہ ہے کہ وہ اپنے دائرۂ حفاظت میں بسنے والے تمام انسانوں کی ربوبیت (یعنی ان کی تمام فطری صلاحیتوں کے برومند ہونے) کے لئے پورے پورے اسباب و ذرائع مہیا کرے۔ یہ ایک محکم اصول ہے جسے قرآن نے اسلامی حکومت کے لئے بطور اساس متعین کر دیا ہے اور جس میں زمان اور مکان کی تبدیلی سے کوئی تبدیلی نہیں ہو سکتی۔ اس اصول کو عملی طور پر کیسے متشکل کیا جائے گا؟ اس کا تعلق زمان اور مکان کے بدلنے والے حالات سے ہے۔ یعنی ہر زمانے کے مسلمان اپنے اپنے زمانے کے تقاضوں کے مطابق اس اصولی مقصد کے حصول کے لئے عملی جزئیات خود متعین کریں گے۔ قرآن کا اسلوب ہدایت ہی یہ ہے۔ اس نے (بجز چند مستثنیات کے) اسلامی نظام کے لئے صرف اصول متعین کئے ہیں، ان کی جزئیات متعین نہیں کیں۔ اسلئے کہ جیسا کہ اوپر کہا گیا ہے اس کے اصول، محکم اساس پر مبنی ہیں جس میں کوئی تبدیلی نہیں ہو سکتی۔ لیکن ان اصولوں کی جزئیات مختلف حالات کے تقاضوں کے ساتھ ساتھ بدلتی رہتی ہیں۔ ان بدلنے والی جزئیات کو شریعت کہا جاتا ہے۔ اس سے یہ حقیقت واضح ہو گئی ہوگی کہ شریعت کسی جامد یا غیر متبدل مجموعۂ قوانین کا نام نہیں بلکہ ہر وہ مجموعۂ قوانین (یعنی قرآنی اصولوں کے تابع مدون کردہ جزئیات) جو کسی ایک زمانے کی قرآنی حکومت اپنے زمانے کے تقاضوں کے مطابق، قرآنی اصولوں کی روشنی میں مدون کرے، اس نظامِ حکومت کی شریعت کہلائے گا۔ ان جزئیات کے مدون کرنے میں، ہر زمانے کی اسلامی حکومت ان جزئیات سے مدد لے سکتی ہے جو اس سے پہلے دور کی کسی اسلامی

حکومت نے اپنے زمانے کے تقاضوں کے مطابق مدون کی تھیں۔ یعنی سابقہ دور کی شریعت بعد کے دور کی اسلامی حکومت کیلئے بطور نظائر (PRECEDENTS) کام دے گی۔ قرآن کے ابدی اصولوں کی روشنی میں سب سے پہلی حکومت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے قائم کی اور آپ کے بعد آپ کے خلفائے حقہ نے۔ اس اسلامی حکومت نے اپنے زمانے کے تقاضوں کے مطابق قرآنی اصولوں کی جزئیات خود متعین کیں۔ اگر یہ سلسلۂ خلافت اسی طرح قائم رہتا تو ہر دور کے تقاضوں کے مطابق تدوینِ شریعت کا یہ سلسلہ بھی جاری رہتا۔ لیکن وہ دورِ جلد ختم ہو گیا اور اس کے بعد مسلمانوں میں ملوکیت آ گئی جس میں رفتہ رفتہ امورِ دنیاوی کو حکومت نے اپنے ذمہ لے لیا اور "مذہبی امور" کو "اربابِ مذہب" کے سپرد کر دیا۔ اس طرح دین کو دنیا سے الگ کر دینے سے نظامِ اسلامی کی اصل میں خرابی آ گئی اور ایسے قوانین بھی مرتب ہونے شروع ہو گئے جو قرآن کی واضح تعلیم کے خلاف تھے۔ اب مسلمانوں کی یہ حالت ہے کہ جہاں جہاں ان کی اپنی حکومتیں ہیں امورِ سلطنت سے متعلق وہ حکومتیں اپنی منشاء کے مطابق قوانین مرتب کرتی ہیں لیکن "امورِ مذہب" کے متعلق (جسے Personal Law کہا جاتا ہے) مفتیوں سے فتاوی لے لئے جاتے ہیں۔ اور جہاں ان کی اپنی حکومت نہیں وہاں یہی فتاوی انفرادی طور پر صادر ہوتے رہتے ہیں۔ اگر آج ہم چاہتے ہیں کہ پاکستان میں قرآنی منشاء کے مطابق شریعت کا نفاذ ہو تو اس کا طریقہ صرف یہ ہے کہ ہم قرآنی اصولوں کی روشنی میں اپنے دور کے تقاضوں کے مطابق اپنے قوانین خود متعین کریں۔ یہی قوانینِ شریعتِ اسلامی کہلائیں گے نہ کہ وہ قوانین جو اپنے زمانے کے حالات کے مطابق کسی سابقہ اسلامی حکومت نے وضع کئے تھے۔

اس پس منظر کی روشنی میں اب زکوٰۃ کے اہم مسئلہ پر غور کیجئے۔ قرآن نے اسباب و ذرائع کو جن کی مدد سے اسلامی حکومت نوعِ انسانی کی ربوبیت کا انتظام کرے گی، زکوٰۃ کی جامع اصطلاح سے تعبیر کیا ہے چنانچہ وہ کہتا ہے:

الذین ان مکنّٰھم فی الارض اقاموا الصلوٰۃ واٰتوا الزکوٰۃ (۲۲/۴۱)

وہ لوگ کہ جنہیں جس وقت ہم زمین میں حکومت عطا کریں گے تو ان کا فریضہ اقامتِ صلوٰۃ اور ایتائے زکوٰۃ ہوگا۔

وہی جماعتِ مومنین جس کے متعلق دوسری جگہ فرمایا ہے کہ والذین ھم للزکوٰۃ فاعلون (۲۳/۴) یعنی ان کی یہ خصوصیت ہوگی کہ وہ زکوٰۃ کے لئے جدوجہد کریں گے۔ اگر سورۂ حج کی مصرحہ بالا آیت (۲۲/۴۱) کے معنی یہ لئے جائیں کہ "جب ان لوگوں کی اپنی حکومت ہو جائے گی تو یہ اپنی آمدنی کا اڑھائی فیصدی حصہ خیرات کے کاموں میں صرف کیا کریں گے" تو یہ بے معنی سی بات ہو جاتی ہے اس لئے کہ اپنی آمدنی سے ۲½ فی صدی حصہ خیرات کے کاموں میں صرف کرنے کے لئے اپنی حکومت کی کیا ضرورت ہے۔ یہ خیرات تو ہم ہندوستان میں انگریزوں کی غلامی کے زمانے میں بھی بلا روک ٹوک کیا کرتے تھے۔ اس آیۂ جلیلہ کا صحیح مفہوم یہی ہے کہ اوروں کی حکومت میں مقصود اپنا انتفاع ہوتا ہے لیکن قرآنی حکومت میں مقصد پیشِ نظر نوعِ انسانی کی نشوونما (زکوٰۃ) ہوتا ہے۔

اس آیت میں "اقامتِ صلوٰۃ" اور "ایتائے زکوٰۃ" اکٹھا آیا ہے اور آپ نے دیکھا ہوگا کہ قرآن کریم میں یہ دونوں چیزیں عام طور پر اکٹھی بیان ہوئی ہیں۔ صلوٰۃ اور زکوٰۃ کا باہمی تعلق کیا ہے[1] اور "اقامتِ صلوٰۃ" سے کیا مفہوم ہے؟ یہ چیزیں اس وقت میرے

---

[1] صلوٰۃ اور زکوٰۃ کے باہمی تعلق کے لئے سورۂ ہود کی اس آیت کو دیکھئے جس میں قومِ شعیب نے کہا تھا کہ کیا تمہاری صلوٰۃ ہمیں اس کی بھی اجازت نہیں دیتی کہ ہم اپنے اموال کو اپنی مرضی کے مطابق صرف کر سکیں؟ (۱۱/۸۷) دیکھئے! نظامِ صلوٰۃ کس طرح معاشی نظام کو اپنے احاطہ میں لئے ہوئے ہے۔

موضوع سے خارج ہیں۔ سردست آپ زکوٰۃ کے متعلق ہی دیکھئے۔ لفظ زکوٰۃ کا مادہ زکا ہے جس کے معنی نشوونما (GROWTH) کے ہیں۔ لہٰذا "ایتائے زکوٰۃ" (یعنی زکوٰۃ بہم پہنچانے) کے معنی ہوئے سامانِ نشوونما بہم پہنچانا۔ بنابریں "زکوٰۃ" سے مراد ہوئے وہ تمام اسباب وذرائع جن کے ذریعے اسلامی حکومت نوعِ انسانی کی (GROWTH) یا (DEVELOPMENT) کا انتظام کرے گی۔ اس سے ظاہر ہے کہ قرآنی حکومت کا کام افرادِ ملت کو زکوٰۃ (سامانِ نشوونما) دینا ہوگا، ان سے زکوٰۃ لینا نہیں ہوگا لیکن اس ایتائے زکوٰۃ (سامانِ نشوونما) کے لئے حکومت کو آمدنی (REVENUES) کی ضرورت ہوگی۔ اس لئے اسلامی حکومت کی تمام آمدنی ذرائع زکوٰۃ بن جائے گی، اور اس آمدنی سے نظامِ ربوبیت قائم کیا جائے گا۔ اس اعتبار سے ملت کا ہر فرد "ایتائے زکوٰۃ" کے فریضہ کی ادائیگی میں شریک ہو جائے گا۔ (یہ نظامِ ربوبیت کس طرح سے قائم ہوگا؟ یہ موضوع تفصیل طلب ہے اور مسئلہ پیش نظر کی حدود سے باہر۔ اس لئے میں سردست اپنے آپ کو صرف زکوٰۃ تک ہی محدود رکھتا ہوں۔ اگر حکومت نے اس کی ضرورت سمجھی تو اس نظام کی قرآنی تفاصیل بھی پیش کی جاسکیں گی۔) قرآن نے زکوٰۃ کی اہمیت پر اس قدر زور دیا ہے لیکن اس کی تفاصیل کو کہیں متعین نہیں کیا، اور حقیقت یہ ہے کہ اس اصولی نظام کی روشنی میں جس کا ذکر اوپر کیا جا چکا ہے، ان تفاصیل کے متعین کرنے کی ضرورت بھی نہ تھی اس لئے کہ زکوٰۃ کا اصول غیر متبدل ہے لیکن اس کی جزئیات ہر زمانے کی ضروریات کے مطابق ادلتی بدلتی رہتی ہیں لہٰذا آج جو اسلامی حکومت نظامِ ربوبیت کو قائم کرنا چاہے وہ اس مقصد کے حصول کے لئے اپنی مدات آمدنی کی جزئیات خود متعین کرے گی، اور اس طرح حاصل کردہ آمدنی کو ملت کی نشوونما (زکوٰۃ) پر صرف کرے گی۔ یہ جزئیات ہر قسم کے ٹیکس کی شرح، نصاب، طریق وصولی، نیز اس آمدنی کے مناسب محلاتِ اخراجات وغیرہ سب کو محیط ہوں گی۔ ان جزئیات کی تدوین میں ہم ان جزئیات سے بطور نظائر مدد لیں گے جو اس سے پہلے کسی اسلامی حکومت نے اپنے دور کے لئے متعین کی تھیں۔ اس طرح ہماری متعین کردہ جزئیات ہماری شریعت بن جائیں گی، بشرطیکہ ان کی اساس قرآن کے غیر متبدل اصولوں پر ہو۔ لیکن اگر یہی آمدنی قرآنی منشا کے خلاف وصول کی جائے گی یا اسے نظامِ ربوبیت کے خلاف مقاصد میں صرف کیا جائے گا تو یہ سب کچھ غیر شرعی ہو جائیگا۔

قرآن نے زکوٰۃ کے علاوہ ایک اصطلاح صدقات کی بھی استعمال کی ہے اور اس کے لئے اس نے خرچ کی مدات کا بھی ذکر کیا ہے جو حسب ذیل ہیں:

إِنَّمَا الصَّدَقَاتُ لِلْفُقَرَاءِ وَالْمَسَاكِينِ وَالْعَامِلِينَ عَلَيْهَا وَالْمُؤَلَّفَةِ قُلُوبُهُمْ وَفِي الرِّقَابِ وَالْغَارِمِينَ وَفِي سَبِيلِ اللَّهِ وَابْنِ السَّبِيلِ - (۹/۶۰)

صدقات کا مصرف یہ ہے کہ وہ فقراء ومساکین کو دیئے جائیں اور ان لوگوں کو جو تحصیل صدقات میں کام کریں اور جن کے قلوب کی تالیف مقصود ہو، نیز قیدیوں (یا غلاموں) کے رہا کرانے میں اور تاوان زدہ (یا مقروض) لوگوں کا تاوان (یا قرض) ادا کرنے میں، اور اللہ کی راہ میں، اور مسافروں کے لئے۔

میں اس وقت ان مختلف مدات کی تشریح میں نہیں جانا چاہتا لیکن یہ حقیقت بادنیٰ تعمق سمجھ میں آجائے گی کہ جن جن ضروریات کا یہاں ذکر کیا گیا ہے وہ ایسی ہیں جو ہنگامی حوادث یا اتفاقی حالات کے ماتحت پیدا ہوتی ہیں اور اسلامی سوسائٹی (کہ جس کا فریضہ ہی ربوبیتِ عامہ ہے) کی مستقل ضروریات قرار نہیں پا سکتیں۔ مثلاً جیسے اس وقت پاکستان میں پناہ گزینوں کا مسئلہ درپیش ہے یا کسی علاقے میں سیلاب زدگان کی امداد کا سوال سامنے آجاتا ہے، وغیرہ۔ ایسی ہنگامی اور غیر متوقع (Unforseen) ضروریات کے لئے حکومت کے مستقل بجٹ میں گنجائش (Provision) نہیں ہوا کرتی۔ اس قسم کی ہنگامی ضروریات یا تو ہنگامی ٹیکس کے ذریعے پوری کی جایا کرتی ہیں یا لوگوں کے عطیات سے۔ ہمارے ہاں صدقہ کسی بڑی مصیبت کے ٹالنے کیلئے دیا جاتا ہے۔ عربوں میں عطیات کے لئے بھی اس لفظ کا استعمال ہوتا تھا۔ قرآن میں غور کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ صدقات میں عطیات بھی شامل ہیں اسلئے کہ اس نے صدقات کو علانیہ طور پر دینے کا بھی ذکر کیا ہے اور چپکے سے بھی (۲/۲۷۴)۔ نیز یہ بھی کہا ہے کہ اپنے صدقوں کو احسان جتا کر اور جن کی مدد کی گئی ہے ان کی دلآزاری کر کے تعمیر کی جگہ تخریب (باطل) کا ذریعہ نہ بناؤ (۲/۲۶۴) یہ صدقات خواہ ٹیکس کی شکل میں ہوں خواہ عطیات کی صورت میں، ان کا وصول کرنا اور خرچ کرنا اجتماعی کام ہے جس کا ذمہ دار حکومت کو قرار دیا گیا ہے چنانچہ صدقات کے وصول کرنے کا واضح حکم قرآن میں موجود ہے (۹/۶۰)۔ اور حکومت ہی کو اس کے صرف کا ذمہ دار ٹھہرایا ہے (۹/۵۸-۶۰)۔ اس قسم کے ہنگامی ٹیکس کی شرح کیا ہونی چاہئے؟ یا عطیات کی حدود کیا ہونی چاہئیں؟ قرآن اس کا ذکر نہیں کرتا اور نہ ہی ان کی کوئی حد بندی کی جا سکتی ہے مصارف کی فہرست میں البتہ قرآن نے چند مدات کو گنا دیا ہے جن کا ذکر اوپر آچکا ہے اور باقیوں کے متعلق "فی سبیل اللہ" سے اصولی اشارہ کر دیا ہے۔ واضح رہے کہ قرآن ملت کے اجتماعی امور کے متعلق "فی سبیل اللہ" کی جامع اصطلاح استعمال کرتا ہے۔ لہٰذا مصارفِ صدقات میں مختلف مدات کے ساتھ "فی سبیل اللہ" کے اضافہ سے معلوم ہوتا ہے کہ اس سے مراد یہ ہے کہ جن مدات کا ذکر کیا گیا ہے ان جیسی اور مدات جو ملت کی اس قسم کی ہنگامی ضروریات کیلئے ناگزیر ہو جائیں، ان میں شامل ہیں۔

اس مقام پر قرآنی تعلیم سے متعلق ایک اور اہم نکتہ کی طرف اشارہ بھی ضروری معلوم ہوتا ہے۔ اس نکتہ کی اہمیت کا تقاضا تھا کہ اسے شرح و بسط سے بیان کیا جاتا لیکن یہ مقام صراحت و وضاحت کا نہیں، اس لئے یہاں اس کا ذکر صرف اشارۃً کیا جا سکے گا۔ قرآنی احکام کا اسلوب یہ ہے کہ وہ سوسائٹی کے ارتقائی مدارج کے ساتھ توافق و تطابق رکھتے چلے جاتے ہیں۔ مثلاً جب رسول اللہؐ نے دعوتِ اسلام کی ابتدا کی ہے تو اس وقت اسلامی حکومت وجود میں نہیں آئی تھی اس لئے اس زمانے کے احکام اس انداز کے ساتھ تھے جو کسی ایسی سوسائٹی (معاشرہ) میں نافذ العمل ہو سکیں جس میں ہنوز اپنی حکومت قائم نہ ہو سکی ہو۔ حضورؐ کی دعوت اپنے ارتقائی مدارج طے کرتی اس مقام تک پہنچ گئی جہاں ملتِ اسلامیہ نے اپنا نظامِ حکومت خود قائم کر لیا۔ یہ نظام ایک سوسائٹی کے معاشری ارتقاء کی آخری کڑی ہوتا ہے۔ لہٰذا اس مقام پر ضروری احکام دینے کے بعد دین کی تکمیل ہو گئی۔ قرآن ان تمام احکام کا مجموعہ ہے اور یہی وجہ ہے کہ اس میں (مثلاً) صدقات کے متعلق انفرادی احکام بھی ملتے ہیں اور حکومتی نظام کے اندر کے احکام بھی، حتیٰ کہ ایسے احکام بھی جن میں حکومت کو کسی قسم کے ٹیکسوں یا عطیوں کی ضرورت ہی نہیں رہتی۔ جن لوگوں کی نگاہ سے قرآنی احکام کا یہ اسلوب

اوجھل ہوگیا وہ مختلف احکام کے "تضاد" سے گھبرا اٹھے اور اس مشکل کے حل کے لئے انھوں نے "نسخ آیات" کا عقیدہ قائم کرلیا یعنی انھوں نے یہ سمجھ لیا کہ جو احکام بعد کے ارتقائی مدارج سے متعلق نازل ہوئے تھے انھوں نے ابتدائی مراحل سے متعلق نازل شدہ احکام کو منسوخ کردیا ہے۔ اگر ان کے سامنے قرآنی احکام کا وہ اسلوب ہوتا جو اوپر بیان کیا گیا ہے تو انھیں کوئی ایسی مشکل پیش نہ آتی جس کیلئے ناسخ و منسوخ کا غیر قرآنی عقیدہ وضع کرنا پڑا۔ قرآن کی اکملیت اسی میں ہے کہ وہ انسانی معاشرہ کی ہر ارتقائی حالت سے متعلق مناسب احکام اپنے اندر رکھتا ہے۔ جو معاشرہ (سوسائٹی) جس وقت اپنے آپ کو قرآنی نظام کے تابع لانا چاہے قرآن اس وقت کے ارتقائی مقام کے مناسب احکام دیدے گا۔ مثلاً ہم تقسیم ہند سے پہلے اپنے معاشرتی ارتقاء میں جس مقام پر تھے قرآن ہمیں اس سے آگے بڑھنے کے اصول دیتا تھا۔ تقسیم کے بعد جس حالت میں ہم آج ہیں، اس کے لئے بھی قرآن کے پاس ہدایت موجود ہے، اور اس کے بعد اگر ہم نے اپنی زندگی کو قرآنی نظام کے تابع لانے کا فیصلہ کرلیا تو پھر اس کے لئے بھی قرآن کے پاس ہدایت موجود ہے۔ اس لحاظ سے قرآن ایک مکمل ضابطۂ حیات ہے اور جس مقام سے کوئی سوسائٹی اپنے آپ کو قرآن کے تابع لائے، قرآن اسے اس مقام سے آگے جانے کے لئے واضح روشنی عطا کردیتا ہے اور کوئی مقام ایسا نہیں ہوتا جہاں پہنچ کر وہ کہدے کہ میں مزید ہدایت سے قاصر ہوں[1]۔

زکوٰۃ و صدقات سے متعلق تصریحاتِ بالا سے یہ حقیقت واضح ہوگئی ہوگی کہ قرآن کی رو سے

۱) زکوٰۃ ان بنیادی مقاصد میں سے ہے جن کے لئے اسلامی حکومت کا قیام وجود میں آتا ہے۔

۲) ایتائے زکوٰۃ سے مقصود ہے ایسا نظام قائم کرنا جس میں ہر فرد کی فطری صلاحیتوں کی نشوونما ارتقاء کا پورا پورا سامان موجود ہو۔

۳) قرآنی حکومت کے تمام ذرائع آمدنی زکوٰۃ ہی کی مدات ہوں گے۔

۴) قرآن نے ان مدات کی تفاصیل متعین نہیں کیں۔ ہر حکومت اپنی ضروریات کے مطابق انھیں خود متعین کرے گی۔

۵) بعض ہنگامی اور غیر متوقع ضروریات کے لئے جو کچھ وقتی طور پر وصول کیا جائے گا اسے قرآن کی اصطلاح میں صدقات کہا جاتا ہے۔

۶) صدقات ہنگامی ٹیکس یا عطیات پر مشتمل ہو سکتے ہیں۔

۷) صدقات کی شرح کا کوئی ذکر قرآن میں نہیں۔ البتہ ان کی مدات خرچ کی ایک فہرست قرآن نے دی ہے جس میں "فی سبیل اللہ" کی تشریح کے مطابق اضافہ کیا جا سکتا ہے۔

۸) صدقات کی تحصیل اور صرف کا انتظام بھی حکومت ہی کے ذمہ ہوگا اور اس کے لئے جو عملہ متعین کیا جائے گا اس کے اخراجات اس مد سے لئے جائیں گے۔

یہ ہے میرے فہم قرآن کے مطابق، مختصر الفاظ میں، زکوٰۃ اور صدقات سے متعلق قرآن کی تعلیم کا ماحصل۔ ہمارے مروجہ الجھاؤ کی

---

[1] جب نظامِ ربوبیت اپنی مکمل شکل میں قائم ہو جائے تو پھر کسی سے عطیات یا ٹیکس لینے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا کیونکہ اسوقت رزق کے سرچشمے انفرادی ملکیت میں نہیں رہتے۔

وجہ یہ ہے کہ ہم نے زکوٰۃ اور صدقات کو ایک ہی چیز سمجھ رکھا ہے اور صدقات سے متعلق احکام و تفاصیل کو زکوٰۃ کے احکام قرار دے لیا ہے، حالانکہ یہ ظاہر ہے کہ قرآن نے نہایت وضاحت سے ان دو الفاظ کو الگ الگ استعمال کیا ہے۔ اگر صدقات سے مراد زکوٰۃ ہی ہوتی تو وہ صدقات کی جگہ زکوٰۃ ہی کا لفظ استعمال کرتا۔ لیکن قرآن میں غور کرنے سے اندازہ ہو جاتا ہے کہ اس کے نزدیک زکوٰۃ کا تصور صدقات سے الگ ہے۔ اسلامی معاشرہ کے ابتدائی مدارج میں "صدقات" کا عمومی مفہوم "خیرات" ہی تھا لیکن بعد میں جب اپنا نظامِ حکومت قائم ہو گیا تو صدقات سے مراد وہ عطیات وغیرہ ہو گئے جو اسلامی حکومت بعض ہنگامی ضروریات کے لئے طلب کرتی ہے لیکن یہ ہنگامی عطیات ہوں یا دیگر مدات آمدنی ان سب کا سرچشمہ قلب کا یہ میلان ہے کہ ہم نے وہ نظامِ ربوبیت قائم کرنا ہے جس میں ہر فرد کی فطری صلاحیتوں کے نشوونما کے لئے یکساں مواقع بہم پہنچائیں گے۔ یہ ہے وہ ربوبیتِ انسانیہ کا مقصد عظیم جس کے لئے فرمایا کہ یمحق اللہ الربوٰ ویربی الصدقات (۲:۲۷۶) خدا اس معاشی نظام کو مجلس کر رکھ دیتا ہے جس میں دوسروں کی آمدنی کو اپنی پرورش کا ذریعہ بنایا جائے اور اس نظام کو بڑھاتا ہے جس میں ہر فرد کی ربوبیت پیشِ نظر رہے۔

معراجِ انسانیت

(معارف القرآن ـ جلد چہارم)

ترجمانِ حقیقت جناب پرویز کا قلم اور سیرت صاحبِ قرآن علیہ التحیہ والسلام خود قرآن کے آئینہ میں۔ فی الحقیقت ہمارے اسلامی لٹریچر میں اپنی قسم کی پہلی کوشش ہے اور نہایت کامیاب۔ شروع میں قریب پونے دو سو صفحات میں دنیا کے تمام مذاہب کی تاریخ اور تہذیبی پس منظر ہے۔ اس میں بعض ایسے مذاہب کا بھی تذکرہ ہے جن کا شاید نام بھی آپ نے پہلے نہ سنا ہوگا۔ پھر نادر عنوانات کے ماتحت سیرت حضور سرورِ کائناتؐ، جس میں دین کے متنوع گوشے نکھر کر سامنے آ گئے ہیں۔ اصل کتاب بڑے سائز کے ۸۳۲ صفحات پر مشتمل ہے۔ مقدمہ وغیرہ کے ابتدائی پچاس صفحات اس سے الگ ہیں۔

کاغذ اعلیٰ درجہ کا ولایتی گلیزڈ۔ جلد مضبوط اور حسین، گرد پوش مرصع اور دیدہ زیب، ٹائیٹل اور صبح بہار کے عنوانات منقش اور رنگین۔ قیمت بیس روپے، محصول ڈاک و پیکنگ ایک روپیہ ساڑھے چھ آنے۔

ناظم ادارۂ طلوع اسلام۔ کراچی

معاشی نبی

[کہتے ہیں کہ ہارون الرشید کے دربار میں ایک شخص کو پیش کیا گیا جو نبوت کا مدعی تھا۔ اس سے دو چار سوال کئے تو اس نے بہکی بہکی سی باتوں میں جواب دیا۔

وزیر نے اس سے کہا کہ تو نے کیا کھایا ہے جو اس طرح کی بہکی بہکی باتیں کر رہا ہے۔

"نبی صاحب" نے جواب دیا کہ اگر کھانے کو کچھ ہوتا تو اس قسم کی باتیں کیوں کرتا؟

اب سنئے اس اجمال کی تفصیل ـــــ طلوع اسلام]

---

(۱)

میں تھا غریب و بیکس و گمنام، و بے ہنر — کوئی نہ جانتا تھا کہ ہے قادیاں کدھر
لوگوں کی اس طرف کو ذرا بھی نظر نہ تھی — میرے وجود کی بھی کسی کو خبر نہ تھی
اب دیکھتے ہو کیسے رجوع جہاں ہوا — اک مرجع خواص یہی قادیاں ہوا

(درثمین اردو ص۹ مجموعہ کلام مرزا غلام احمد قادیانی صاحب)

دس روپیہ ماہوار کی بھی امید نہ تھی

ہماری معاش اور آرام کا تمام مدار ہمارے والد صاحب کی محض ایک مختصر آمدنی پر منحصر تھا اور بیرونی لوگوں میں سے ایک شخص بھی مجھے نہیں جانتا تھا اور میں ایک گمنام انسان تھا جو قادیان جیسے ویران گاؤں میں زاویۂ گمنامی میں پڑا ہوا تھا۔ پھر بعد اس کے خدا نے اپنی پیش گوئی کے موافق ایک دنیا کو میری طرف رجوع دیدیا اور ایسی متواتر فتوحات سے مالی مدد کی کہ جس کا شکریہ بیان کرنے کے لئے میرے پاس الفاظ نہیں۔

مجھے اپنی حالت پر خیال کر کے اس قدر بھی امید نہ تھی کہ دس روپے ماہوار بھی آئیں گے مگر خدائے تعالیٰ جو غریبوں کو خاک سے اٹھاتا ہے اور متکبروں کو خاک میں ملاتا ہے اس نے ایسی میری دستگیری کی کہ میں یقیناً کہہ سکتا ہوں کہ اب تک تین لاکھ کے قریب روپیہ آچکا ہے اور شاید اس سے بھی زیادہ ہو۔

لیکن ـ اُسے فضل کرتے نہیں لگتی دیر

اگر اس میرے بیان کا اعتبار نہ ہو تو بیس برس کی ڈاک کے سرکاری رجسٹروں کو دیکھو، تا معلوم ہو کہ کس قدر آمدنی کا دروازہ اس تمام مدت میں کھولا گیا ہے حالانکہ یہ آمدنی صرف ڈاک کے ذریعہ تک محدود نہیں رہی بلکہ ہزارہا روپیہ کی مدنی اس طرح بھی ہوتی رہی ہے کہ لوگ خود قادیان میں آکر دیتے ہیں اور نیز ایسی آمدنی جو لفافوں میں نوٹ بھیجے جاتے ہیں۔

(حقیقۃ الوحی ص۲۱۱-۲۱۲ مصنفہ مرزا غلام احمد قادیانی صاحب)

تیسری پیش گوئی یہ تھی کہ لوگ کثرت سے آئیں گے، سو اس کثرت سے آئے کہ اگر ہر روزہ آمدن اور خاص وقتوں کے مجمعوں کا اندازہ لگایا جائے تو کئی لاکھ تک اس کی تعداد پہنچتی ہے۔

اب تک کئی لاکھ انسان قادیان میں آچکے ہیں اور اگر خطوط بھی اسکے ساتھ شامل کئے جائیں تو شاید یہ اندازہ کروڑ تک پہنچ جائیگا۔

(براہین احمدیہ حصہ پنجم ص۶۰-۶۱ مصنفہ مرزا غلام احمد قادیانی صاحب)

۲- الہامی مکسال

محب یکرنگ مکرمی اخویم حاجی سیٹھ عبدالرحمٰن صاحب اللہ رکھا سلمہٗ

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہٗ۔ کل کی ڈاک میں بذریعہ تار مبلغ پانچسو روپئے مرسلہ آں مکرم مجھ کو پہنچ گیا خدا تعالیٰ آپ کو ان للّٰہی خدمات کا دونوں جہان میں وہ اجر بخشے جو اپنے مخلص اور وفادار بندوں کو بخشتا ہے آمین ثم آمین۔ یہ بات فی الواقع سچ ہے کہ مجھ کو آپ کے روپئے سے اس قدر دینی کام میں مدد پہنچ رہی ہے کہ اس کی نظیر میرے پاس بہت ہی کم ہے۔ میں اللہ تعالیٰ سے چاہتا ہوں کہ آپ کی ان خدمات کا وہ بہ رحمت پاداش بخشے کہ تمام حاجاتِ دارین پر محیط ہو۔ اور اپنی محبت میں ترقیات عطا فرمائے محض اللہ کے لئے اس پرآشوب زمانے میں جو دل سخت ہو رہے ہیں آگے سے آگے بڑھانا کچھ تھوڑی بات نہیں ہے۔ انشاء اللہ القدیر آپ ایک بڑے ثواب کا حصہ پانے والے ہیں۔

کچھ تھوڑے دن ہوئے کہ مجھ کو خواب آیا تھا کہ ایک جگہ میں بیٹھا ہوں یک دفعہ کیا دیکھتا ہوں کہ غیب سے کسی قدر روپیہ میرے سامنے موجود ہو گیا ہے۔ میں حیران ہوں کہ کہاں سے آیا۔ آخر میری یہ رائے ٹھہری کہ خدا تعالیٰ کے فرشتے نے ہماری حاجات کے لئے یہاں رکھ دیا ہے پھر ساتھ الہام ہوا۔ انی مرسل الیکم ھدیۃ۔ کہ میں تمہاری طرف ہدیہ بھیجتا ہوں اور ساتھ ہی میرے دل میں پڑا کہ اس کی یہی تعبیر ہے کہ ہمارے مخلص دوست حاجی سیٹھ عبدالرحمٰن صاحب اس فرشتہ کے رنگ میں متمثل کئے گئے ہوں گے اور غالباً وہ روپیہ بھیجیں گے اور میں نے اس خواب کو عربی زبان میں اپنی کتاب میں لکھ لیا۔ چنانچہ کل اس کی تصدیق ہو گئی۔ الحمد للہ یہ قبولیت کی نشانی ہے کہ مولیٰ کریم نے خواب اور الہام سے تصدیق فرمائی ..... والسلام خاکسار مرزا غلام احمد۔ ۶ مارچ ۱۹۰۵ء

(مکتوبات احمدیہ جلد پنجم حصہ اول ص۳ مجموعہ مکتوبات مرزا غلام احمد قادیانی صاحب)

مخدومی مکرمی محبی فی اللہ حاجی سیٹھ عبدالرحمٰن صاحب سلمہٗ۔

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہٗ۔ کل کی ڈاک میں مبلغ ایک سو روپیہ مرسلہ آں محب مجھ کو پہنچا۔ اس کے عجائبات میں سے ایک یہ ہے کہ اس روپیہ کے پہنچنے سے تخمیناً سات گھنٹے پہلے مجھ کو خدائے عزوجل نے اس کی اطلاع دی۔ سو آپ کی اس خدمت کے لئے یہ اجر کافی ہے کہ خدائے تعالیٰ آپ سے راضی ہے۔ اس کی رضا کے بعد اگر تمام جہان ریزہ ریزہ ہو جائے تو کچھ پرواہ نہیں۔ یہ کشف اور الہام آپ ہی کے بارے میں مجھ کو دو دفعہ ہوا ہے۔ فالحمد للہ ..... والسلام

خاکسار مرزا غلام احمد ۲ اکتوبر ۱۸۹۶ء

(مکتوبات احمدیہ جلد پنجم حصہ اول ص۵ مجموعہ مکتوبات مرزا غلام احمد قادیانی صاحب)

۳۔ میں دعاؤں میں لگا ہوا ہوں۔ تم روپیہ بھیجتے جاؤ۔

مخدومی مکرمی اخویم سیٹھ صاحب سلمہٗ السلام علیکم ورحمہ اللہ وبرکاتہٗ

عنایت نامہ پہنچا۔ جو کچھ آپ نے لکھا ہے آپ کے صدق و اخلاص پر قوی نشانی ہے۔ میں نے جو خط لکھا تھا اس کے لکھنے کے لئے یہ تحریک پیدا ہوئی تھی جو چند ہفتے ہوئے ہیں مجھے الہام ہوا تھا۔ عنم لہ۔ دفع البلاء من مالہ دفعۃ۔ اس میں تفہیم یہ ہوئی تھی کہ کوئی شخص کسی مطلب کے حصول پر بہت سا حصہ اپنے مال میں سے بطور نذرانہ بھجوائے گا۔ میں نے اس الہام کو اپنی کتاب میں لکھ لیا تھا، بلکہ اپنے گھر کے قریب دیوار پر مسجد کی نہایت خوشخط یہ الہام لکھ کر چسپاں کر دیا۔ اس الہام میں نہ کسی مدت کا ذکر ہے کہ کب ہوگا اور نہ کسی انسان کا ذکر ہے کہ کس شخص کو ایسی کامیابی ہوگی یا ایسی مسرت ظہور میں آئے گی۔ لیکن چونکہ میرا دل آں مکرم کی کامیابی کی طرف لگا ہوا ہے اسلئے طبیعت نے یہی چاہا کہ کسی وقت اس کے مصداق آپ ہی ہوں اور خدا تعالیٰ ایسا کرے۔ کیا اللہ جل شانہ کے نزدیک لاکھ دو لاکھ روپیہ کچھ بڑی بات ہے۔ دعاؤں میں اثر ہوتے ہیں مگر صبر سے ان کا ظہور ضرور ہوتا ہے ..... میں آپ کے شدت اخلاص کی وجہ سے اس میں لگا ہوا ہوں کہ اعلیٰ درجہ کی زندہ دعا آپ کے حق میں ہو جاوے اور جس طرح شکاری ایک جگہ سے دام اٹھاتا ہے اور دوسری جگہ بچھاتا ہے تا کسی طرح شکار مارنے میں کامیاب ہو جائے۔ اسی طرح میں ہر طرح سے دعا میں روحانی حیلوں کو استعمال میں لاتا ہوں۔ اگر میں زندہ رہا تو انشاء اللہ القدیر والموفق میں اس بات کو اسی قادر کے فضل و کرم اور توفیق سے دکھلاؤں گا کہ زندہ دعا اس کو کہتے ہیں۔ باقی خیریت ہے۔ والسلام۔ خاکسار مرزا غلام احمد عفی عنہ ۱۳ اکتوبر ۱۸۹۸ء

(مکتوبات احمدیہ جلد ۵ حصہ اول صفحہ ۲ مجموعہ مکتوبات مرزا غلام احمد قادیانی صاحب)

مخدومی مکرمی اخویم سیٹھ صاحب سلمہٗ۔ السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہٗ۔

پہلے خط کے روانہ کرنے کے بعد آج مبلغ سو روپیہ مرسلہ آں مکرم بذریعہ ڈاک مجھ کو ملا۔ میں آپ کے اس صدق و اخلاص سے نہایت امیدوار ہوں کہ اللہ تعالیٰ آپ کو ضائع نہیں کرے گا۔ مجھے آپ کے روپیہ سے اپنے کاروبار میں اس قدر مدد ملتی ہے کہ میں بیان نہیں کر سکتا۔ جزاکم اللہ خیر الجزا یہی عملی حالت ہے کہ جو خدا تعالیٰ کے فضل و کرم پر بہت ہی امید دلاتی ہے چونکہ مجھے اپنے سلسلہ طبع میں ایسی حاجتیں پیش آتی رہتی ہیں اور مجھے اس سے زیادہ دنیا میں کوئی غم نہیں کہ جو میں بوجہ نہ میسر آنے مالی سرمایہ کے طبع کتب دینیہ سے مجبور رہ جاؤں۔ اسلئے میں ایک یہی حکمت عملی آپ کے متعلق دیکھتا ہوں کہ آپ دل میں ایک نذر مقرر کر چھوڑیں کہ اگر ایک عمدہ کامیابی

یکمشت اور مستقل دونوں

امور تجارت میں آپ کو میسر آوے تو آپ یک مشت نذر اس کارخانہ کے لئے ارسال فرماویں کیا تعجب ہے کہ خدا تعالیٰ آپ کے اس صدق و اخلاص پر نظر کر کے وہ کامیابی آپ کے نصیب کرے کہ جو فوق العادت ہو اور اس ذریعہ سے اس اپنے سلسلہ کو بھی کافی مدد پہنچ جاوے۔ کیونکہ اب یہ سلسلہ مشکلات میں پھنسا ہوا ہے اور شاید یہ کام طبع کتب کا آگے کو بند ہو جاوے۔ آپ کی طرف سے جو مدد آتی ہے وہ لنگر خانے میں خرچ ہو جاتی ہے اور مجھے جس قدر آپ کے کاروبار کے لئے توجہ ہے یہ ایک دلی خواہش ہے جو خدا تعالیٰ نے مجھ میں پیدا کی ہے اور یہ یقین جانتا ہوں کہ یہ خالی نہیں جائے گا۔ کیا

تعجب کہ اس نیت کے پختہ کرنے پر خدا تعالیٰ فوق العادت کے طور پر آپ سے کوئی رحمت کا معاملہ کرے۔ میں تو جانتا ہوں آپ نہایت خوش نصیب ہیں آپ کی دنیا بھی اچھی ہے اور آخرت بھی۔ کیونکہ آپ اس طرف دل سے اور پورے اعتقاد سے جھک گئے ہیں۔ سو اگر تمام دنیا کا کاروبار تباہی میں آجائے تب بھی میں یقین نہیں کرتا کہ آپ ضائع کئے جائیں۔ والسلام۔ خاکسار مرزا غلام احمد۔ ۲۱ اکتوبر ۱۸۹۸ء

(مکتوبات احمدیہ جلدہ حصہ اول ص۲۱ مجموعہ مکتوبات مرزا غلام احمد قادیانی صاحب)

بھیجتے جائیے! مخدومی مکرمی اخویم سیٹھ صاحب سلمہٗ۔ السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہٗ

آپ کا عنایت نامہ معہ مبلغ ایک سو روپیہ آج مجھ کو ملا۔ جزاکم اللہ خیر الجزاء آمین! جس قدر یہ عاجز آپ کو تسلی اور اطمینان کے لفظ لکھتا ہے، یہ لغو اور بیہودہ نہیں ہے۔ بلکہ بوجہ آپ کے نہایت درجہ کے اخلاص کے اس درجہ پر آپ کے لئے دعا ظہور میں آتی ہے کہ دل گواہی دیتا ہے کہ یہ دعائیں خالی نہیں جائیں گی ..... باقی خیریت ہے۔ والسلام۔ مبلغ ایک سو روپیہ سیٹھ دال جی صاحب کی طرف سے بھی پہنچ گیا تھا میری طرف سے دعا اور شکران کو پہنچا دینا۔ خاکسار مرزا غلام احمد ۲۲ نومبر ۱۸۹۸ء۔

(مکتوبات احمدیہ جلدہ حصہ اول ص۲۲ مجموعہ مکتوبات مرزا غلام احمد قادیانی صاحب)

دعا میں مشغول ہوں مخدومی مکرمی اخویم سیٹھ صاحب سلمہٗ۔ السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہٗ

عنایت نامہ آں مکرم اور نیز مبلغ ایک سو روپیہ مجھ کو پہنچا جزاکم اللہ خیر الجزا میں آپ کیلئے دعا میں مشغول ہوں۔ آپ کا ہر ایک خط جس میں تفرقہ خاطر اور خوف وخطر کا ذکر ہوتا ہے۔ پہلی دفعہ تو میرے پر ایک دردناک اثر ہوتا ہے مگر پھر بعد اس کے جب اللہ جل شانہٗ کی طاقت اور قدرت اور اس کے وہ الطاف کریمانہ جو میرے پر ہیں بلا توقف یاد آجاتی ہیں تو وہ غم دور ہو کر نہایت یقینی امیدیں دل میں پیدا ہو جاتی ہیں۔ آپ کے لئے میرے دل میں عجب جوش تضرع اور دعا ہے اگر عمیق مصالح جس کا علم بشر کو نہیں ملتا توقف کو نہ چاہتیں تو خدا تعالیٰ کے فضل وکرم سے امید تھی کہ اس قدر توقف ظہور میں نہ آتا۔ بہرحال میں آپ کی بلاؤں کی دفع کیلئے ایسا کھڑا ہوں جیسا کوئی شخص لڑائی میں کھڑا ہوتا ہے۔ خداداد قوت استقلال اور ثابت قدمی اور صدق ویقین کے ہتھیاروں سے اور عقد ہمت کی پیشقدمی سے اسی میدان میں خدا تعالیٰ سے کامیابی چاہتا ہوں ..... میں پہلے اس کی اطلاع دے چکا ہوں کہ میرے پر ایک فوجداری مقدمہ سرکار کی طرف سے دائر ہو گیا ہے ..... میں نے اول خیال کیا تھا کہ شاید آں مکرم کی تحریک سے مدراس میں کسی قدر چندہ ہو، مگر پھر مجھے خیال آتا ہے کہ ہر ایک انسان اس ہمدردی کے لائق نہیں جب تک انسان سلسلہ میں داخل ہو کر جاں نثار مرید نہ ہو تب تک ایسے واقعات روح پر قوی اثر نہیں کرتے۔ دلوں کا خدا مالک ہے۔ اللہ تعالیٰ کا شکر ہے کہ اس نے باوجود اس تفرقہ کے اور ایسی حالت کے جو قریب قریب تباہی کے ہے آپ کو وہ اخلاص بخشا ہے کہ جو وفادار جاں نثار جوں مرد میں ہوتا ہے۔ میں نے پہلے بھی لکھا تھا اور اب بھی لکھتا ہوں کہ بوجہ اس کے کہ آپ ہر وقت مالی امداد میں مشغول ہیں اسلئے ایسے چندہ سے آپ مستثنیٰ ہیں۔ آپ کا بہت سا چندہ پہنچ چکا ہے۔ والسلام۔ خاکسار غلام احمد عفی عنہ

(مکتوبات احمدیہ جلدہ حصہ اول ص۲۳ مجموعہ مکتوبات مرزا غلام احمد قادیانی صاحب)

۴۔ کچھ نہ دعا نے کام کیا!

مخدومی مکرمی اخویم سیٹھ صاحب سلمہٗ۔ السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہٗ

عنایت نامہ پہنچا۔ مجھ کو سخت افسوس ہے جس کو میں بھول نہیں سکتا کہ مجھ کو قبل اس حادثۂ وفات کے اس کامل دعا کا موقع نہیں ملا جو اکثر کرشمۂ قدرت دکھلاتی ہے۔ میں دعا تو کرتا رہا مگر وہ اضطراب جو سینہ میں ایک جلن پیدا کرتی ہے اور دل کو بے چین کر دیتی ہے وہ اس کے لئے کامل طور پر پیدا نہ ہوئی۔ آپ کے عنایت نامجات جو حال میں آئے تھے یہ فقرہ بھی درج ہوتا رہا کہ اب کسی قدر آرام ہے۔ اور آخری خط آپ کا جو نہایت اضطراب سے بھرا ہوا تھا اس تار کے بعد آیا جس میں وفات کی خبر تھی۔ اس خانہ ویرانی سے جو دوبارہ وقوع میں آگئی رنج اور درد و غم تو بہت ہے، نہ معلوم آپ پر کیا قلق اور رنج گذرا ہوگا لیکن خداوند کریم و رحیم کی اس میں کوئی بڑی حکمت ہوگی۔ ..... باقی خیریت ہے۔ والسلام۔ خاکسار مرزا غلام احمد ۱۶ ستمبر ۱۸۹۹ء

(مکتوبات احمدیہ جلد ۵ نمبر اول صـ۲۹ مجموعہ مکتوبات مرزا غلام احمد قادیانی صاحب)

۵۔ خانگی زندگی

اور جس روز مسجد کے چندہ کے واسطے کٹریا نوالے کی طرف جا رہے تھے اور جناب نواب خانصاحب تحصیلدار کے ٹانگہ پر ہم تینوں سوار تھے۔ کوچبان اور جناب خواجہ (کمال الدین) صاحب آگے تھے میں (یعنی سید سرور شاہ صاحب) اور جناب (یعنی مولوی محمد علی صاحب) پچھلی سیٹ پر بیٹھے ہوئے تھے تو خواجہ صاحب نے یہ فرما کر کہ راستہ باتوں سے طے ہوا کرتا ہے۔ اور میرا ایک سوال ہے جس کا جواب مجھے نہیں آتا۔ میں اسے پیش کرتا ہوں۔ آپ اس کا جواب دیں۔ سوال شروع کیا۔ صحیح اور یقینی مضمون اس کا یہ تھا کہ:۔

پہلے ہم اپنی عورتوں کو یہ کہہ کر کہ انبیاء اور صحابہ والی زندگی اختیار کرنی چاہیئے کہ وہ کم اور خشک کھاتے اور خشن پہنتے تھے اور باقی بچا کر اللہ کی راہ میں دیا کرتے تھے اسی طرح ہم کو بھی کرنا چاہیئے۔ غرض ایسے وعظ کر کے کچھ روپیہ بچاتے تھے اور پھر وہ قادیان بھیجتے تھے لیکن جب ہماری بیبیاں خود قادیان گئیں، وہاں پر رہ کر اچھی طرح وہاں کا حال معلوم کیا تو واپس آکر ہمارے سر پر چڑھ گئیں کہ تم بڑے جھوٹے ہو ہم نے تو قادیان میں جا کر خود انبیاء اور صحابہ کی زندگی کو دیکھ لیا ہے جس قدر آرام کی زندگی اور تعیش وہاں پر عورتوں کو حاصل ہے اس کا تو عشر عشیر بھی باہر نہیں۔ حالانکہ ہمارا روپیہ اپنا کمایا ہوا ہوتا ہے اور ان کے پاس جو روپیہ جاتا ہے وہ قومی اغراض کے لئے قومی روپیہ ہوتا ہے۔ لہٰذا تم جھوٹے ہو جو جھوٹ بول کر اس عرصہ دراز تک ہم کو دھوکہ دیتے رہے اور آئندہ ہم ہرگز تمہارے دھوکہ میں نہ آویں گی پس اب وہ ہم کو روپیہ نہیں دیتیں کہ ہم قادیان بھیجیں۔

اس پر خواجہ (کمال الدین) صاحب نے خود ہی فرمایا تھا کہ ایک جواب تم لوگوں کو دیا کرتے ہو۔ پھر تمہارا وہ جواب میرے آگے نہیں چل سکتا کیونکہ میں خود واقف ہوں۔ اور پھر بعض زیورات اور بعض کپڑوں کی خرید کا مفصل ذکر کیا۔ ..... ان اعتراضات کے باعث مجھے ایسا محسوس ہو رہا تھا کہ غضب خدا نازل ہو رہا ہے اور میں متواتر دعا میں مشغول تھا اور بار بار جناب الٰہی میں یہ عرض کرتا تھا کہ مولا کریم! میں اس قسم کی باتوں کے خلاف ہوں۔ میں اس مجلس سے علیحدہ ہو جاتا مگر مجبور ہوں پس تیرا غضب جو نازل ہو رہا ہے اس سے مجھے بچانا۔

(کشف الاختلاف صـ۱۳ مصنفہ سید سرور شاہ صاحب قادیانی)

۶۔ اعتراض سب سے بڑا اعتراض جو اس نے (ڈاکٹر عبدالحکیم صاحب نے) مسیح موعود (مرزا صاحب) پر کیا وہ مال کے متعلق تھا کہ لوگوں سے روپے لیتے ہیں اور جس طرح چاہتے ہیں خرچ کرتے ہیں چنانچہ اس نے اپنی کتب میں بہت جگہ یہی واویلا کیا ہے جیسا کہ الذکر الحکیم نمبر ۲ کے صفحہ ۳ و ۵ و ۸ و ۱۰ و ۱۱ و ۲۵ و ۴۰ و ۴۳ و ۸۳ و ۸۴ وغیرہ میں ذکر ہے کہ اپنی کتابوں کے شائع کرنے کے لئے چندے جمع کر لیتے ہیں اور جس طرح ہو سکتا ہے مکر و فریب کر کے لوگوں سے مال جمع کر لیتے ہیں اور اسے جس طرح چاہتے ہیں جا و بے جا صرف کرتے ہیں کوئی حساب نہیں۔

(اخبار الفضل قادیان جلد ۸ نمبر ۵۴ مورخہ ۲۰ جنوری ۱۹۲۱ء)

۷۔ لنگر کا قصہ پھر جناب کو (یعنی مولوی محمد علی صاحب لاہوری کو) یاد ہوگا کہ جب میں نے (یعنی مولوی سرور شاہ صاحب قادیانی نے) جناب کو کہا تھا کہ آج مجھے پختہ ذریعے سے معلوم ہوا ہے کہ حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام نے گھر میں بہت اظہار رنج فرمایا ہے کہ باوجود میرے بتانے کے کہ خدا کا منشا یہی ہے کہ میرے وقت میں لنگر کا انتظام میرے ہی ہاتھ میں رہے اور اگر اس کے خلاف ہوا تو لنگر بند ہو جائے گا مگر یہ خواجہ وغیرہ ایسے ہیں کہ بار بار مجھے کہتے ہیں کہ لنگر کا انتظام ہمارے سپرد کر دو اور مجھ پر بدظنی کرتے ہیں۔ اور یہ سنا کر میں نے بوجہ محبت آپ کو (یعنی مولوی محمد علی صاحب کو) یہ کہا تھا کہ آپ آئندہ کبھی اس معاملہ میں شریک نہ ہوں ایسا نہ ہو کہ حضرت اقدس کی زیادہ ناراضگی کا موجب ہو جائے اور آپ کو نقصان پہنچے۔

(کشف الاختلاف ص۱۴ مصنفہ سید سرور شاہ صاحب قادیانی)

اور خواجہ (کمال الدین) صاحب بار بار تاکید کرتے تھے کہ ضرور کہنا۔ اور یہ باتیں کر رہے تھے کہ دفعتاً آپ کی (یعنی مولوی محمد علی صاحب کی) طرف متوجہ ہو کر کہنے لگے کہ مولوی صاحب۔ اب مجھے وہ طریق معلوم ہو گیا ہے جس سے لنگر کا انتظام فوراً حضرت (مرزا) صاحب ہمارے سپرد کر دیں۔ . . . . . پس آپ نے کہا کہ خواجہ صاحب میں تو اب ہرگز پیش نہ کروں گا تو خواجہ صاحب نے یہ سنتے ہی آنکھیں سرخ کر لیں اور غصہ والی شکل اور غضب والے لہجہ میں کہنا شروع کیا کہ قومی خدمت ادا کرنے میں بڑے بڑے مشکلات پیش آیا کرتے ہیں اور کبھی حوصلہ پست نہ کرنا چاہئے۔ اور یہ کیسے غضب کی بات ہے کہ آپ جانتے ہیں کہ قوم کا روپیہ کس محنت سے جمع ہوتا ہے اور جن اغراض قومی کے لئے وہ اپنا پیٹ کاٹ کر روپیہ دیتے ہیں وہ روپیہ ان اغراض میں صرف نہیں ہوتا بلکہ بجائے اس کے شخصی خواہشات میں صرف ہوتا ہے اور پھر روپیہ بھی اس قدر کثیر ہے کہ اسوقت جس قدر قومی کام آپ نے شروع کئے ہوئے ہیں اور روپیہ کی کمی کی وجہ سے پورے نہیں ہو سکے اور ناقص حالت میں پڑے ہوئے ہیں اگر یہ لنگر کا روپیہ اچھی طرح سے سنبھالا جائے تو اکیلے اسی سے وہ سارے کام پورے ہو سکتے ہیں۔ آپ اچھے خادمِ قوم ہیں کہ یہ جانتے ہوئے پھر ایک ذرا سی بات سے کہتے ہیں کہ میں آئندہ ہرگز پیش نہیں کروں گا میں تو کہتا ہوں میں ضرور پیش کروں گا۔ اس پر آپ نے کہا کہ میں ساتھ چلا جاؤں گا مگر بات نہیں کروں گا تو خواجہ صاحب نے کہا کہ میں بھی ساتھ ہی جانے کیلئے کہتا ہوں۔ بات تو میں نہیں کرتا۔ بات تو میں خود کروں گا۔

غرض کہ اس طرح کے بہت سے واقعات ہیں جن سے اس بات کا صاف پتہ چلتا ہے کہ حضرت مسیح موعود (مرزا صاحب) کے

زمانے ہی میں مالی اعتراض کا درس خواجہ صاحب نے شروع کر دیا تھا۔

(کشف الاختلاف ص۱۵ مصنفہ سید سرور شاہ صاحب قادیانی)

۸۔ اعتراض کرنے سے ایمان سلب ہو جائیگا! جو شخص کچھ مدد دے کر مجھے اسراف کا طعنہ دیتا ہے وہ میرے پر حملہ کرتا ہے ایسا حملہ قابلِ برداشت نہیں۔ اصل تو یہ ہے کہ مجھے کسی کی بھی پرواہ نہیں اگر تمام جماعت کے لوگ متفق ہو کر چندہ بند کر دیں یا مجھ سے منحرف ہو جائیں تو وہ جس نے مجھ سے وعدہ کیا ہوا ہے وہ اور جماعت اس سے بہتر پیدا کر دے گا جو صدق و اخلاص رکھتی ہو گی جیسا کہ اللہ تعالیٰ مجھے مخاطب کر کے فرماتا ہے ..... یعنی خدا تیری اپنے پاس سے مدد کرے گا تیری وہ مدد کریں گے جن کے دلوں میں ہم آپ وحی کریں گے اور الہام کریں گے۔ پس اس کے بعد میں ایسے لوگوں کو ایک مرے ہوئے کیڑے کی طرح بھی نہیں سمجھتا جن کے دلوں میں بدگمانیاں پیدا ہوتی ہیں۔ میں ایسے خشک دل لوگوں کو چندہ کیلئے مجبور نہیں کرتا جس کا ایمان ہنوز ناتمام ہے۔ مجھے وہ لوگ چندہ دے سکتے ہیں جو اپنے سچے دل سے مجھے خلیفۃ اللہ سمجھتے ہیں اور میرے تمام کاروبار خواہ اس کو سمجھیں یا نہ سمجھیں ان پر ایمان لانے اور ان پر اعتراض کرنا موجب سلب ایمان سمجھتے ہیں۔

(مرزا غلام احمد قادیانی صاحب کا ارشاد مندرجہ اخبار الحکم مورخہ ۳۱ مارچ ۱۹۰۵ء منقول از اخبار الفضل قادیان جلد ۲۴ نمبر ۶۹ مورخہ ۹ ستمبر ۱۹۳۶ء)

۹۔ جنگِ زرگری باقی آپ سے (یعنی مولوی حکیم نورالدین صاحب قادیانی خلیفۂ اول سے) میں (یعنی میاں محمود احمد صاحب ابن مرزا غلام احمد صاحب قادیانی) یہ بھی عرض کرنا چاہتا ہوں کہ یہ ابتلاء اگر حضرت (مرزا) صاحب زندہ رہتے تو ان کے عہد میں بھی آتا۔ کیونکہ یہ لوگ (یعنی خواجہ کمال الدین صاحب اور مولوی محمد علی صاحب لاہوری) اندر ہی اندر تیاری کر رہے تھے۔ چنانچہ نواب صاحب نے بتایا کہ ان سے انھوں نے کہا کہ اب وقت آگیا ہے کہ حضرت (مرزا) صاحب سے حساب لیا جائے چنانچہ حضرت صاحب نے اپنی وفات سے پہلے جس دن وفات ہوئی اسی دن بیماری سے کچھ ہی پہلے کہا کہ خواجہ (کمال الدین) صاحب اور مولوی محمد علی صاحب وغیرہ مجھ پر بدظنی کرتے ہیں کہ میں قوم کا روپیہ کھا جاتا ہوں ان کو ایسا نہ کرنا چاہئے تھا ورنہ انجام اچھا نہ ہوگا چنانچہ آپ نے فرمایا کہ آج خواجہ صاحب مولوی محمد علی (صاحب) کا ایک خط لیکر آئے اور کہا کہ مولوی محمد علی (صاحب) نے لکھا ہے کہ لنگر کا خرچ تو تھوڑا سا ہوتا ہے باقی ہزاروں روپیہ جو آتا ہے وہ کہاں جاتا ہے اور گھر میں آکر آپ نے بہت غصہ ظاہر کیا کہ کیا یہ لوگ ہم کو حرام خور سمجھتے ہیں، ان کو اس روپیہ سے کیا تعلق۔ اگر آج میں الگ ہو جاؤں تو سب آمدن بند ہو جائے۔

پھر خواجہ صاحب نے ایک ڈیپوٹیشن کے موقع پر جو عمارت مدرسہ کا چندہ لینے گیا تھا مولوی محمد علی سے کہا کہ حضرت (مرزا) صاحب آپ تو خوب عیش و آرام سے زندگی بسر کرتے ہیں اور ہمیں یہ تعلیم دیتے ہیں کہ اپنے خرچ گھٹا کر بھی چندہ دو جس کا جواب مولوی محمد علی (صاحب) نے یہ دیا کہ ہاں اس کا انکار تو نہیں ہو سکتا مگر بشریت ہے کیا ضرور کہ ہم نبی کی بشریت کی پیروی کریں۔

میرا ان باتوں کے لکھنے سے یہ مطلب تھا کہ یہ ابھی بات شروع نہیں ہوئی بلکہ حضرت اقدس کے زمانہ سے ہے وہ (یعنی مرزا صاحب) لنگر کا چندہ اپنے پاس رکھتے تھے۔ آپ نے وہ بھی ان کے (یعنی خواجہ صاحب وغیرہ کے) حوالے کر دیا اب ان کو خیال سوجھا

کہ چلو اور بھی سب کچھ چھینو۔ باقی رہا ان کا تقویٰ وہ تو ان کے بلوں اور بجٹوں سے بہت کچھ ظاہر ہو سکتا ہے کہ جس پر شور مچا رہے ہیں وہ کام روزمرہ خود کرتے ہیں۔

(میاں محمود احمد صاحب کا خط بنام مولوی نورالدین صاحب خلیفۂ اول مندرجہ حقیقت اختلاف ص۵ مصنفہ مولوی محمد علی صاحب قادیانی امیر جماعت لاہور)

اس خط کے آخری فقرہ سے میاں صاحب کی گھبراہٹ جو ان کو اس وجہ سے پیدا ہوئی کہ سب کچھ انجمن کے ہاتھ میں چلا گیا ہے اور جا رہا ہے کس قدر عیاں ہے حضرت مولوی (نورالدین) صاحب مرحوم کا بھی اسے بڑا قصور قرار دیا گیا ہے کہ انھوں نے لنگر کا چندہ بھی انجمن کے حوالہ کر دیا اور اب ان کو خیال سوجھا کہ چلو اور سب کچھ چھینو۔ . . . . . مگر یہ سب کچھ چھین کر ہم کہاں لے جا رہے ہیں کیا اپنی جائداد بڑھا رہے تھے یا قوم پر ہی صرف کر رہے تھے۔ . . . . . ہاں میاں (محمود احمد) صاحب کی ذاتی جائداد بیشک بہت بڑھ گئی ہے اور مریدوں کے بھی مکانات بن گئے ہیں۔

(حقیقت اختلاف ص۲۵ مصنفہ مولوی محمد علی صاحب قادیانی امیر جماعت لاہور)

میں (یعنی مولوی محمد علی صاحب لاہوری) اس سے انکار نہیں کرتا کہ میاں (محمود احمد) صاحب نے چند مقامات پر مبلغین بھیجنے کا اچھا کام کیا ہے مگر حق تو یہ ہے کہ اس راہ میں بھی سابق وہی شخص ہے جسے میاں صاحب منافق کہہ رہے ہیں اور میں اس سے بھی انکار نہیں کرتا کہ سالانہ جلسہ پر بہت سے آدمی جمع ہو جاتے ہیں اور اس سے بھی انکار نہیں کرتا کہ قادیان میں بہت سے احمدیوں نے سکونت اختیار کر لی ہے اور مکانات بنائے ہیں اور اس سے بھی انکار نہیں کرتا کہ سلسلہ پیری مریدی میں میاں صاحب نے نمایاں ترقی کی ہے اور نذر و نیاز کی آمدنی بھی بڑھ گئی ہے اور جناب میاں صاحب کی ذاتی جائداد بھی بہت بڑھ گئی ہے۔

(حقیقت اختلاف ص۲۸ مصنفہ مولوی محمد علی صاحب قادیانی امیر جماعت لاہور)

۱۰۔ فردوس بیک خوشۂ انگور فروشم

حضرت مسیح موعود (مرزا غلام احمد قادیانی صاحب) نے فرمایا کہ نماز سے کوئی بیس یا پچیس منٹ پیشتر میں نے خواب دیکھا کہ گویا ایک زمین خریدی ہے کہ اپنی جماعت کی میتیں وہاں دفن کیا کریں تو کہا گیا کہ اس کا نام مقبرہ بہشتی ہے یعنی جو اس میں دفن ہوگا وہ بہشتی ہوگا۔

(مکاشفات ص۲۳ مولفہ بابو منظور الٰہی صاحب قادیانی)

صبح کو نماز کے لئے اٹھنے سے کوئی ۲۰-۲۵ منٹ پہلے میں نے خواب میں دیکھا کہ گویا ایک زمین اس مطلب کیلئے خریدی گئی ہے کہ اپنی جماعت کی میتیں وہاں دفن کی جائیں تو کہا گیا کہ اس کا نام بہشتی مقبرہ ہے جس کا مطلب یہ ہے کہ جو اس میں دفن ہوگا وہ بہشتی ہوگا۔

(ملفوظات احمدیہ حصہ ہفتم ص۲۹۶ تا ۲۹۷ مرتبہ منظور الٰہی صاحب قادیانی لاہوری)

فاوحی الی ربی واشار الی ارض وقال انھا ارض تحتھا الجنۃ فمن دفن فیھا دخل الجنۃ وانہ من الامنین۔

ترجمہ: تو خدا تعالیٰ نے مجھے وحی کی اور ایک زمین کی طرف اشارہ کر کے فرمایا کہ یہ وہ زمین ہے جس کے نیچے جنت ہے پس جو شخص اس میں دفن کیا گیا وہ جنت میں داخل ہوا اور وہ امن پانے والوں میں سے ہے۔

(الاستفتاء عربی ص۵ مصنفہ مرزا غلام احمد قادیانی صاحب)

کشفی رنگ میں وہ مقبرہ مجھے دکھایا گیا جس کا نام خدا نے بہشتی مقبرہ رکھا ہے اور پھر الہام ہوا کل مقابر الارض لا تقابل ھذا الارض (روئے زمین کی تمام مقابر اس زمین کا مقابلہ نہیں کر سکتیں)۔

(مرزا غلام احمد قادیانی صاحب کے مکاشفات ص۹ مولفہ منظور الٰہی صاحب)

حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے مقبرہ بہشتی کے متعلق حسب ذیل ارشادات رسالۃ الوصیت میں فرماتے ہیں:-

ایک جگہ مجھے ایک قبر دکھلائی گئی کہ وہ چاندی سے زیادہ چمکتی تھی اور اس کی تمام مٹی چاندی کی تھی، تب مجھے کہا گیا کہ یہ تیری قبر ہے۔ اس قبرستان کے لئے بڑی بھاری بشارتیں مجھے ملی ہیں اور نہ صرف خدا نے یہ فرمایا کہ یہ مقبرہ بہشتی ہے بلکہ یہ بھی فرمایا کہ انزل فیھا کل رحمۃ یعنی ہر قسم کی رحمت اسی قبرستان میں اتاری گئی ہے اور کسی قسم کی رحمت نہیں جو اس قبرستان والوں کو اس سے حصہ نہیں۔

آگے چل کر اس میں داخل ہونے کی شرائط بیان فرمائی گئی ہیں اور ان شرائط کے بعد یہ اضافہ فرمایا ہے۔

میری نسبت اور میرے اہل و عیال کی نسبت خدا نے استثنا رکھا ہے باقی ہر ایک مرد ہو یا عورت ہو ان کو ان شرائط کی پابندی لازم ہوگی اور شکایت کرنے والا منافق ہوگا۔

(اخبار الفضل قادیان جلد ۲۴ نمبر ۵۰ مورخہ ۲ ستمبر ۱۹۳۶ء)

ایک جگہ مجھے دکھلائی گئی اور اس کا نام بہشتی مقبرہ رکھا گیا اور ظاہر کیا گیا کہ وہ ان برگزیدہ جماعت کے لوگوں کی قبریں ہیں جو بہشتی ہیں ۔ ۔ ۔ ۔ چونکہ اس قبرستان کے لئے بڑی بھاری بشارتیں مجھے ملی ہیں اور نہ صرف خدا نے یہ فرمایا کہ یہ مقبرہ بہشتی ہے بلکہ یہ بھی فرمایا کہ انزل فیھا کل رحمۃ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ اس لئے خدا نے میرا دل اپنی وحی خفی سے اس طرف مائل کیا کہ ایسے قبرستان کے لئے ایسے شرائط لگا دیئے جائیں کہ وہی لوگ اس میں داخل ہو سکیں جو اپنے صدق اور کامل راستبازی کی وجہ سے ان شرائط کے پابند ہوں۔ ۔ ۔ ۔ پہلی شرط یہ ہے کہ ہر ایک شخص جو اس قبرستان میں مدفون ہونا چاہتا ہے وہ اپنی حیثیت کے لحاظ سے ان مصارف (تکمیل احاطہ وغیرہ) کے لئے چندہ داخل کرے۔ دوسری شرط یہ ہے کہ تمام جماعت میں سے اس قبرستان میں وہی مدفون ہوگا جو یہ وصیت کرے جو اس کی موت کے بعد دسواں حصہ اس کے تمام ترکہ کا حسب ہدایت اس سلسلہ کے اشاعت اسلام اور تبلیغ احکام قرآن میں خرچ ہوگا اور ہر ایک صادق کامل الایمان کو اختیار ہوگا کہ اپنی وصیت میں اس سے بھی زیادہ لکھ دے ۔ ۔ ۔ تیسری شرط یہ ہے کہ اس قبرستان میں دفن ہونے والا متقی ہو اور محرمات سے پرہیز کرتا ہو اور کوئی شرک اور بدعت کا کام نہ کرتا ہو۔ سچا اور صاف مسلمان ہو۔ ہر ایک میت جو قادیان کی زمین میں فوت نہیں ہوئی ان کو بجز صندوق قادیان میں لانا ناجائز ہوگا۔ اور نیز ضروری ہوگا کہ کم از کم ایک ماہ پہلے اطلاع دیں۔ ۔ ۔ ۔

سستا لگا دیا ہے!

اگر کوئی صاحب خدانخواستہ طاعون کے مرض سے فوت ہوں ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ان کی نسبت یہ ضروری حکم ہے کہ وہ دو برس تک صندوق میں رکھ کر کسی علیحدہ مکان میں امانت کے طور پر دفن کئے جائیں ۔ ۔ ۔ ۔ ۔

اگر کوئی صاحب دسویں حصہ جائداد کی وصیت کریں اور اتفاقاً ان کی موت ایسی ہو کہ مثلاً کسی دریا میں غرق ہو کر ان کا انتقال ہو

یا کسی اور ملک میں وفات پاویں جہاں سے میت کو لانا متعذر ہو تو ان کی وصیت قائم رہے گی اور خدا تعالیٰ کے نزدیک ایسا ہی ہوگا کہ گویا وہ اسی قبرستان میں دفن ہوئے ہیں۔ اور جائز ہوگا کہ ان کی یادگار میں اسی قبرستان میں ایک کتبہ اینٹ یا پتھر پر لکھ کر نصب کیا جائے اور اس پر واقعات لکھے جائیں۔

اگر خدانخواستہ کوئی ایسا شخص جو رسالہ الوصیت کی رو سے وصیت کرتا ہے مجذوم ہو جس کی جسمانی حالت اس لائق نہ ہو جو وہ قبرستان میں لایا جائے تو ایسا شخص حسب مصالح ظاہری مناسب نہیں ہے کہ اس قبرستان میں لایا جائے۔

میری نسبت اور میرے اہل و عیال کی نسبت خدا نے استثناء رکھا ہے باقی ہر ایک مرد ہو یا عورت ہو' ان کو ان شرائط کی پابندی لازم ہوگی اور شکایت کرنے والا منافق ہوگا۔

(الوصیت ۲۱ تا ۲۳ مصنفہ مرزا غلام احمد قادیانی صاحب)

حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا ہے جو وصیت نہیں کرتا وہ منافق ہے اور وصیت کا کم از کم چندہ ۱/۱۰ حصہ مال کا رکھا ہے۔

(منہاج الطالبین مجموعہ تقاریر میاں محمود احمد صاحب خلیفہ قادیان ۱۶)

تم خوش نصیب ہو!

مقبرہ بہشتی اس سلسلہ کا ایک ایسا مرکزی نقطہ ہے اور ایسا عظیم الشان انسٹی ٹیوشن یعنی محکمہ ہے جس کی اہمیت ہر دوسرے محکمہ سے بڑھ کر ہے۔ یہ وہ نعمت ہے جس کو آدم کے وقت سے اس وقت تک کے لوگ ترستے مرگئے گویا یہ معلوم ہوتا ہے کہ آدم اول کو جب شیطان نے ایک عارضی بہشت سے نکالا تھا تو اس کی تلافی کے لئے چھ ہزار سال کے بعد پھر آدم ثانی کی معرفت یہ محکمہ دائمی جنت میں داخل ہونے کا اللہ تعالیٰ نے نسل انسانی کے لئے کھولا ہے۔ اگلے زمانے میں انبیاء اپنے بعض خاص خاص مقربوں کو بہشت میں داخل ہونے کی بشارت دیا کرتے تھے اور یہاں تو یہ نظر آتا ہے کہ بہشت کا دروازہ ہی کھل گیا ہے صرف ذرا کھڑے ہونے اور قدم اٹھانے کی دیر ہے۔

(اخبار الفضل قادیان جلد ۲۴ نمبر ۶۵ مورخہ ۱۵ ستمبر ۱۹۳۶ء)

استغفر اللہ!

آج تمہارے لئے ابوبکرؓ و عمرؓ سی فضیلت حاصل کرنے کا موقع ہے اور وہ بہشتی مقام موجود ہے جہاں تم وصیت کرکے اپنے پیارے آقا المسیح الموعود کے قدموں میں دفن ہوسکتے ہو اور چونکہ حدیثوں میں آیا ہے کہ مسیح موعود' رسول کریمؐ کی قبر میں دفن ہوگا اس لئے تم اس مقبرہ میں دفن ہو کر خود رسول اکرمؐ کے پہلو میں دفن ہوگے اور تمہارے لئے اس خصوصیت میں ابوبکرؓ کے ہم پلہ ہونے کا موقع ہے۔

(افسر بہشتی مقبرہ کا اعلان مندرجہ اخبار الفضل قادیان جلد ۳ نمبر ۹۹ مورخہ ۲ فروری ۱۹۱۵ء)

مزاج شناسِ رسول

جماعت اسلامی کے رسالہ ترجمان القرآن بابت اگست ۱۹۵۴ء میں عنوانِ بالا کے ماتحت حسب ذیل سوال اور جواب شائع ہوئے ہیں۔

سوال: مرزائی منکرین حدیث اور بعض دوسرے لوگ اس بات کا بہت چرچا کرتے ہیں کہ مولانا مودودی نے مزاج شناسِ نبوت ہونے کا دعویٰ کیا ہے اور کہا ہے کہ اس مزاج شناسی کے بل پر وہ ذخیرۂ احادیث میں سے جس حدیث کو چاہیں صحیح اور جس کو چاہیں غلط قرار دے سکتے ہیں۔ ان لوگوں کی طرف سے حال میں یہ بات بھی پھیلائی گئی ہے کہ جماعتِ اسلامی کے ارکان اور ہمدرد بھی مولانا مودودی کے اس دعوے کو تسلیم کرتے ہیں۔ چنانچہ (ان معترضین کے بقول) پنجاب کی تحقیقاتی عدالت میں مولانا اصلاحی صاحب نے بھی اس دعوے کو مان لیا ہے۔ اعتراض کرنے والوں کا کہنا یہ بھی ہے کہ یہ دعوےٰ ایک طرح کا ادعائے نبوت ہے کیونکہ مرزا غلام احمد صاحب نے بھی یہی کہا تھا کہ میں احادیث کے ڈھیر میں سے جسے چاہوں لے سکتا ہوں اور جسے چاہوں رد کر سکتا ہوں۔ براہِ کرم اس بارے میں اصل حقیقت سے مطلع فرمائیں تاکہ صحیح رائے قائم کی جا سکے۔

جواب:۔ آپ نے جس بہتان طرازی کا ذکر کیا ہے اس سے ہم ناواقف نہیں ہیں۔ جماعتِ اسلامی کے خلاف فتنہ پردازی کی وسیع مہم کا ایک شوشہ یہ بھی ہے۔ چونکہ آپ کا سوال یہ ظاہر کرتا ہے کہ اس بارے میں پوری معلومات آپ کے سامنے نہیں ہیں اس لئے آپ کے اطمینان کی خاطر مختصر جواب دیا جا رہا ہے۔ سب سے پہلے مولانا مودودی کی وہ دو عبارتیں نقل کر دینا مناسب ہوگا جسے بنائے دعویٰ ٹھہرایا گیا ہے۔ وہ "تفہیمات" کے دو مضامین "قرآن و حدیث" اور "مسلکِ اعتدال" کی ذیل کی عبارتیں ہیں:۔

"حدیث کو اصول درایت پر وہی شخص جانچ سکتا ہے جس نے قرآن کا علم حاصل کر کے اسلام کے اصولِ اولیہ کو خوب سمجھ لیا ہو اور جس نے حدیث کے بیشتر ذخیرے کا گہرا مطالعہ کر کے احادیث کو پرکھنے کی نظر بہم پہنچائی ہو۔ کثرتِ مطالعہ اور ممارست سے انسان میں ایسا ملکہ پیدا ہو جاتا ہے جس سے وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا مزاج شناس ہو جاتا ہے اور اسلام کی روح اس کے دل و دماغ میں بس جاتی ہے۔ پھر وہ ایک حدیث کو دیکھ کر اول نظر میں سمجھ لیتا ہے کہ آیا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ایسا فرما سکتے تھے یا نہیں یا آپ کا عمل ایسا ہو سکتا تھا یا نہیں؟"

"معاذ اللہ اس کے یہ معنی ہرگز نہیں ہیں کہ یہ لوگ (یعنی ائمہ مجتہدین) کسی حدیث کو صحیح جان کر اس سے انحراف کرتے تھے۔ نہیں، بلکہ اصل معاملہ یہ تھا کہ ان کے نزدیک صحتِ حدیث کا مدار صرف اسناد پر نہ تھا بلکہ اسناد کے علاوہ ایک اور کسوٹی بھی تھی جس پر وہ احادیث کو پرکھتے تھے اور جس حدیث کے متعلق ان کو اطمینان ہو جاتا تھا کہ یہ حقیقت سے اقرب ہے اس کو

قبول کر لیتے تھے خواہ وہ خالص محدثانہ نقطۂ نظر سے مرجوح ہی کیوں نہ ہو۔

یہ دوسری کسوٹی کونسی ہے؟ ہم پہلے بھی اشارۃً اس کا ذکر کر چکے ہیں کہ جس شخص کو اللہ تعالیٰ تفقہ کی نعمت سے سرفراز فرماتا ہے اس کے اندر قرآن اور سیرتِ رسول کے غائر مطالعہ سے ایک خاص ذوق پیدا ہو جاتا ہے جس کی کیفیت بالکل ایسی ہے جیسے ایک پرانے جوہری کی بصیرت کہ وہ جواہر کی نازک سے نازک خصوصیات تک کو پرکھ لیتی ہے۔ اس کی نظر بحیثیت مجموعی شریعتِ حقہ کے پورے سسٹم پر ہوتی ہے اور وہ اس سسٹم کی طبیعت کو پہچان جاتا ہے۔ اس کے بعد جب جزئیات اس کے سامنے آتے ہیں تو اس کا ذوق اسے بتا دیتا ہے کہ کونسی چیز اسلام کے مزاج اور اس کی طبیعت سے مناسبت رکھتی ہے اور کونسی نہیں رکھتی۔ روایات پر جب وہ نظر ڈالتا ہے تو ان میں بھی یہی کسوٹی ردو قبول کا معیار بن جاتی ہے۔ اسلام کا مزاج عین ذاتِ نبوی کا مزاج ہے۔ جو شخص اسلام کے مزاج کو سمجھتا ہے اور جس نے کثرت کے ساتھ کتاب اللہ اور سنت رسول اللہ کا گہرا مطالعہ کیا ہوتا ہے وہ نبی اکرمؐ کا ایسا مزاج شناس ہو جاتا ہے کہ روایات کو دیکھکر خود بخود اس کی بصیرت اسے بتا دیتی ہے کہ ان میں سے کونسا قول یا کونسا فعل میرے سرکار کا ہو سکتا ہے اور کونسی چیز سنتِ نبویؐ سے اقرب ہے۔ یہی نہیں بلکہ جن مسائل میں اس کو قرآن و سنت میں کوئی چیز نہیں ملتی ان میں بھی وہ کہہ سکتا ہے کہ اگر نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے فلاں مسئلہ پیش آتا تو آپ اس کا فیصلہ یوں فرماتے۔

ان عبارتوں سے تین باتیں بالکل عیاں ہیں۔ ایک یہ کہ مصنف اپنے بارے میں یہ دعویٰ نہیں کر رہا کہ وہ مزاج شناسِ نبوت ہے بلکہ وہ فنِ حدیث کے ائمہ کے بارے میں ایک عام اصول بیان کر رہا ہے۔ دوسری بات یہ بیان ہوئی ہے کہ کتاب اللہ، سیرتِ نبویؐ اور آنحضورؐ کے ارشادات کے وسیع مطالعے اور مسلسل غور و تدبر سے ایسی مناسبت و مہارت پیدا ہو جاتی ہے کہ طالبِ حدیث اپنے ذوقِ سلیم اور وجدانِ صحیح کی مدد سے ایک حدیث کے الفاظ و معانی کو دیکھ کر یہ رائے قائم کر سکتا ہے کہ یہ نبی کا کلام ہو سکتا ہے یا نہیں۔ تیسری بات یہ بتائی گئی ہے کہ اس طرح کا ذوق نقدِ حدیث کا واحد معیار نہیں ہے بلکہ احادیث کے جانچنے میں جن متعدد ذرائع سے کام لیا جاتا ہے ان میں سے ایک ذریعہ یہ بھی ہے۔ اب ظاہر ہے کہ جو شخص ان عبارتوں سے یہ نتیجہ اخذ کرتا ہے کہ یہ ساری بحث مصنف نے اسلئے کی ہے کہ وہ مزاج شناسیٔ نبوت کا کوئی منصب وضع کر کے اس پر قابض ہونا چاہتا ہے تو اس شخص کے کذب و افترا اور دجل و تلبیس میں کیا شبہ ہو سکتا ہے۔

یہاں دو معقول سوال البتہ ضرور کئے جا سکتے ہیں۔ پہلا یہ کہ فی الواقع محدثین نے ایسی بات کہی ہے یا مولانا مودودی نے بلا وجہ ان کی طرف اسے منسوب کر دیا ہے، دوسرا یہ کہ اگر محدثین کی یہ رائے ہے تو یہ صحیح ہے یا غلط ہے؟ پہلے سوال کا جواب یہ ہے کہ تمام ائمہ حدیث نے اس اصول کو بیان کیا ہے اور اس فنی ذوق کی بنا پر وہ بعض احادیث کے بارے میں کہہ دیتے ہیں کہ ھذا الحدیث علیہ ظلمۃ او متنہ مظلم (اس حدیث پر تاریکی چھائی ہوئی ہے یا اس کا متن تاریک ہے) بعض اوقات وہ کسی حدیث کو دیکھ کر کہتے ہیں "طبیعت اسے قبول کرنے سے ابا کرتی ہے"۔ یہاں زیادہ آثار کا نقل کرنا تو محال ہے، البتہ چند حوالے ہم پیش کئے دیتے ہیں جنھیں حاکم نے اپنی مشہور کتاب "معرفۃ علوم الحدیث" میں نقل کیا ہے۔ ابن جوزی فرماتے ہیں "منکر حدیث

سنتے ہی عالمِ حدیث کے رونگٹے کھڑے ہوجاتے ہیں اور قلب متنفر ہونے لگتا ہے۔" ربیع ابن خیثم کا قول ہے کہ "اکثر حدیثوں میں روزِ روشن کا سا نور ہوتا ہے جس کے ذریعے ہم انھیں پہچان لیتے ہیں اور بعض احادیث پر رات کی سی تاریکی طاری ہوتی ہے جس کی وجہ سے ہمیں ان کی حقیقت معلوم ہوجاتی ہے۔ ابن دقیق العید کہتے ہیں "محدثین بعض اوقات کسی حدیث کے موضوع ہونے کا فیصلہ الفاظ کی بنا پر کرتے ہیں۔" اور بلقینی اس کی تشریح یوں کرتے ہیں "اس کی مثال ایسی ہے جیسے ایک خادم اپنے آقا کی سالہا سال تک خدمت کرتے کرتے اس کی پسند و ناپسند سے گہری واقفیت حاصل کرلیتا ہے۔ اب ایک شخص دعویٰ کرتا ہے کہ تمہارا آقا فلاں چیز ناپسند کرتا ہے۔ حالانکہ خادم جانتا ہوتا ہے کہ میرے آقا کو یہ شے پسند ہے، چنانچہ وہ فوراً اس کی تکذیب کردیتا ہے۔"

ان حوالوں سے یہ بات بالکل واضح ہوجاتی ہے کہ یہ حقیقت محدثین کے ہاں بالکل معروف اور مسلّم ہے۔ یہی وجہ ہے کہ منکرینِ حدیث کے ترجمان "طلوعِ اسلام" نے جب شروع شروع میں مولانا مودودی کی عبارت کو اپنے ہاں نقل کیا تھا تو حافظ محمد اسلم صاحب جیراجپوری نے طلوعِ اسلام ہی میں اس پر لکھا تھا کہ یہ بات مودودی صاحب نے نرالی نہیں کہی بلکہ محدثین سارے یہی کہتے چلے آئے ہیں اور ان کا یہ کہنا لوگوں کو خالص شخصیت پرستی کی دعوت دینا ہے۔ ابتدا میں بات اتنی ہی کہی گئی تھی لیکن جو مسائل سلف سے خلف تک مسلمات کے طور پر منتقل ہوتے چلے آئے ہیں، منکرینِ حدیث اور قادیانی اور اسی قماش کے دوسرے لوگ جب تک ان مسلمات کو جماعت اسلامی اور مولانا مودودی کی ایجاد قرار نہ دے لیں اور پھر جماعتِ اسلامی کو اچھی طرح کوس نہ لیں، اس وقت تک انھیں مزا ہی نہیں آتا۔ قتلِ مرتد، رجم زانیٔ محصن، ملکِ یمین، ملکیت شخصی، ان میں سے آخر کونسا مسئلہ ایسا ہے جس کے بارے میں جماعتِ اسلامی نے کوئی ایسی بات کہی ہو جو چودہ صدیوں سے مسلمانوں میں متفق علیہ اور مجمع علیہ نہ رہی ہو۔

اب دوسرا سوال یہ رہ جاتا ہے کہ ائمہ حدیث کا یہ قول صحیح ہے یا نہیں کہ کثرتِ مطالعہ سے حدیث کی معرفت کا ملکہ پیدا ہوجاتا ہے، اس کا جواب یہ ہے کہ کائنات میں ہر شے کی اچھی، بری، کھوٹی، کھری، اعلیٰ، ادنیٰ، مختلف اقسام پائی جاتی ہیں۔ ان اشیاء میں سے کسی شے کے استعمال میں اگر مداومت اور مزاولت کی جائے تو اس کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ اصلی اور نقلی کی پہچان کی ایک فطری صلاحیت پیدا ہوجاتی ہے اور نگاہ کسوٹی کا کام دینے لگتی ہے۔ یہ ایک حقیقت ہے اور علم، عقل، تجربہ، مشاہدہ تمام اس حقیقت کی تصدیق کرتے ہیں اور اس حقیقت کا منکر وہی شخص ہوسکتا ہے جو بالکل ہٹ دھرم ہو اور جو حدیث کے مقام اور رسالت کے منصب کا اسی طرح انکار کرے جس طرح کا انکار دونوں مذکورہ بالا گروہ کرتے ہیں۔ یہ خیال کرنا بھی صحیح نہیں ہے (جیسا کہ جیراجپوری صاحب نے کہا ہے) کہ یہ معیار خالصتہً شخصی اور ہر محدث کے انفرادی ذوق کا آئینہ دار ہوگا۔ چونکہ احادیث کا ایک ہی ذخیرہ ہے جو اس ذوق کی تخلیق و تربیت کرتا اور اسے پروان چڑھاتا ہے۔ اسلئے فی الجملہ اس ذوق و وجدان میں ہم آہنگی اور یک جہتی کا پہلو نمایاں ہوتا ہے۔ اگر کہیں اختلاف ہو بھی تو چونکہ یہ ذوق نقدِ حدیث کا واحد معیار نہیں ہے اس لئے یہ خدشہ باقی نہیں رہتا کہ تنہا اس کے بل پر ہر محدث کا معیار انفرادی اور دوسرے محدثین سے مختلف ہوجائے گا۔

جہاں تک اس الزام کا تعلق ہے کہ مولانا اصلاحی صاحب نے تحقیقاتی عدالت میں مولانا مودودی کے دعویٰ مزاج شناسی رسول کو تسلیم کیا ہے، اس کی حقیقت یہ ہے کہ قادیانی وکلاء عدالت میں گواہوں سے ہر طرح کے الٹے سیدھے سوال کرتے رہے ہیں۔ چنانچہ مولانا اصلاحی صاحب کی شہادت کے دوران میں انھوں نے آپ پر یہ سوال کیا تھا کہ مزاج شناس رسول کی تعریف کیا ہے۔ مولانا اصلاحی صاحب نے اس کا جواب یہ دیا کہ مزاج شناس رسول وہ شخص ہے جو ایک نبی، غیر نبی اور جھوٹے نبی کے کلام میں امتیاز کر سکے۔ قادیانی وکیل نے اپنے مخصوص علم کلام سے کام لیتے ہوئے دوسرا سوال یہ کیا کہ کیا آپ مولانا مودودی کو مزاج شناسِ رسول سمجھتے ہیں۔ مولانا اصلاحی صاحب نے جواب میں فرمایا کہ "میرا حسنِ ظن ان کے بارے میں یہی ہے کہ وہ ایک نبی، غیر نبی اور جھوٹے نبی کے کلام میں امتیاز کر سکتے ہیں"۔ سمجھ میں نہیں آتا کہ اس جواب پر منکرین حدیث اور منکرین ختمِ نبوت کو چھوڑ کر اور کون معقول آدمی اعتراض کر سکتا ہے۔ کیا مولانا اصلاحی اس کے جواب میں یہ کہتے کہ ان کا سوئے ظن مولانا مودودی کے بارے میں یہ ہے کہ وہ سچے اور جھوٹے نبی کے کلام میں تمیز نہیں کر سکتے؟

مرزا غلام احمد اور مولانا مودودی کی عبارات میں مماثلت پیدا کرنے کی توقع بھی انہی لوگوں سے ہو سکتی ہے جو مقامِ رسالت سے قطعاً ناآشنا ہوں۔ مرزا صاحب نے جو دعویٰ کیا ہے وہ یہ ہے کہ نبوت و رسالت کا منصب حاصل کر لینے کی وجہ سے اللہ نے انھیں ایسا علم دیدیا ہے کہ وہ جس حدیث کو چاہیں اخذ کریں اور جسے چاہیں رد کر دیں۔ یہی موقف مرزا صاحب کا سارے احکامِ شریعت کے بارے میں ہے خواہ ان کا ماخذ قرآن ہو یا حدیث۔ جس شخص کے دماغ میں ذرہ بھر عقل اور دل میں رائی کے برابر خوفِ خدا ہو وہ اس بات کا جوڑ آخر اس بات سے کیسے ملا سکتا ہے جسے مولانا مودودی نے ایک اصولِ درایتِ حدیث کے طور پر نقل کیا ہے اور جسے تمام ائمہ فن مانتے چلے آئے ہیں۔

طلوعِ اسلام

طلوع اسلام مسلسل چھ برس سے اس حقیقت کا اعلان کئے جاتا ہے کہ جماعتِ اسلامی کی طرف سے پیش کردہ اسلام اور ان کا مسلک یکسر قرآن کے خلاف ہے۔ وہ انھیں ہمیشہ چیلنج دیتا ہے کہ طلوعِ اسلام میں جو کچھ ان کے خلاف لکھا جاتا ہے وہ اس کا جواب قرآن سے لائیں۔ چونکہ اس کا جواب ان کے پاس ہوتا نہیں (اور ہو سکتا نہیں) اس لئے انھوں نے ایک ہوشیار سیاست داں کی طرح فیصلہ یہ کر رکھا ہے کہ اس کے جواب میں خاموشی اختیار کرو۔ اور اپنے ہمنواؤں سے یہ کہتے رہو کہ ہم ایسے لوگوں کے منہ ہی لگنا نہیں چاہتے۔ البتہ یہ شور مچاتے رہو کہ یہ لوگ جماعتِ اسلامی کے خلاف جھوٹا پروپیگنڈا کرتے رہتے ہیں۔ چنانچہ زیرِ نظر جواب میں بھی انھوں نے ابتداء اسی سے کی ہے کہ طلوع اسلام نے جو کچھ لکھا ہے وہ بہتان طرازی اور فتنہ پردازی ہے، بلکہ کذب و افترا اور دجل و تلبیس ہے۔ جیسا کہ ہم اس سے پہلے بھی لکھ چکے ہیں کہ گالیوں پر وہی اترتا ہے جس کے پاس کوئی جواب نہیں ہوتا۔ قادیانی نبوت کی بھی یہی خصوصیت تھی اور ان کے اتباع میں "نبوت جدیدہ" کا بھی یہی شیوہ ہے۔

ترجمان القرآن نے اپنے اس جواب میں لکھا ہے کہ مزاج شناسیٔ رسالت مآبؐ کا تصور مودودی صاحب ہی کا پیش کردہ نہیں بلکہ اس سے پہلے اور ائمہ محدثین بھی اسے بیان کر چکے ہیں۔ ہم پوچھنا یہ چاہتے ہیں کہ اگر آج کوئی شخص خدائی کا دعویٰ کرے اور جب

اس پر اعتراض کیا جائے تو وہ جواب میں کہے کہ میرا دعویٰ کوئی نئی بات نہیں اس سے پہلے بڑے بڑے بزرگ "انا الحق" اور "سبحانی ما اعظم شانی" کے دعوے کر چکے ہیں تو کیا اس جواب سے وہ شخص اعتراض سے بچ جائے گا؟ لیکن اس جماعت کا تو مسلک ہی عجیب ہے۔ اگر مودودی صاحب کوئی نظریہ پیش کریں اور ان پر اعتراض کیا جائے کہ بڑے بڑے اولوالعزم صحابہ مثل حضرت علیؓ اور حضرت عائشہؓ کا قول یا عمل اس کے خلاف ہے تو وہ بلا تامل کہہ دیں گے کہ ہمارے لئے ان کا قول یا عمل سند نہیں ہو سکتا۔ اور اگر انھیں مودودی صاحب کی تائید میں حاکم اور ابن جوزی کے اقوال مل جائیں تو انھیں اس طرح پیش کریں گے کہ گویا وہ ارشاداتِ خداوندی ہیں۔

بات بالکل صاف ہے۔ ایک شخص یہ کہتا ہے کہ خدا کی اطاعت دراصل رسولؐ کی اطاعت ہے۔ رسولؐ کی اطاعت احادیث کی رو سے کی جا سکتی ہے۔ احادیث میں غلط بھی ہیں اور صحیح بھی اور اس کا فیصلہ ایک مزاج شناسِ رسول کی نگہِ بصیرت ہی کر سکتی ہے کہ کونسی حدیث صحیح ہے اور کونسی غلط۔ آپ غور کیجئے کہ کیا یہ چیز خدائی اختیارات کو اپنے ہاتھ میں لے لینا نہیں ہے؟ کیا دین اسی کا نام ہے، کہ ایک شخص کا ذاتی ذوق یا اس کی نگہِ بصیرت جس چیز کو حق کہدے وہ حق قرار پا جائے اور جسے وہ باطل ٹھہرا دے وہ باطل سمجھی جائے؟ پھر یہ شخص اس فیصلہ کو اپنی ذات تک ہی محدود نہیں رکھتا، وہ اسے ایک اسلامی مملکت کے دستور کی بنیاد قرار دیتا ہے۔ وہ اسے مسلمانوں کے لئے نظامِ شریعت ٹھہراتا ہے۔ ترجمان القرآن کا کہنا ہے کہ مرزا غلام احمد کے دعوے میں اور اس مزاج شناسی کے تصور میں بہت بڑا فرق ہے۔ آپ غور کیجئے کہ جہاں تک نتیجہ کا تعلق ہے ان دونوں میں کیا فرق ہے۔ ایک شخص یہ کہتا ہے کہ مجھے خدا کی طرف سے ایسا علم عطا ہوا ہے کہ میں جس حدیث کو غلط کہدوں وہ غلط ہوگی اور جسے صحیح قرار دیدوں وہ صحیح قرار پائے گی۔ دوسرا شخص یہ کہتا ہے کہ مجھ میں ایسی بصیرت پیدا ہو گئی ہے کہ میں ایک نظر میں دیکھ کر بتا سکتا ہوں کہ یہ حدیث رسول اللہ صلعم کا قول ہو سکتی ہے یا نہیں۔ دونوں صورتوں میں سند اس مدعی کا قول ہوگا۔ نبی کہتے ہی اسے ہیں جو اپنے دعوے کیلئے سند پیش کرنے کا مکلف نہ ہو، اس کے دعوے کی سند خود اس کا قول ہوتا ہے۔ سچے نبی کی صورت میں یہ قول خدا کی وحی ہوتا ہے اور جھوٹے کی صورت میں اس کا خود ساختہ قول۔ لہٰذا جہاں بھی کوئی یہ کہے کہ میرا قول سند کا محتاج نہیں وہ نبی کی حیثیت اختیار کر لیتا ہے۔

ترجمان القرآن نے سارا زور اس پر دیا ہے کہ "اس طرح کا ذوق نقدِ حدیث کا واحد معیار نہیں ہے بلکہ احادیث کے جانچنے میں جن متعدد ذرائع سے کام لیا جاتا ہے ان میں سے ایک ذریعہ یہ بھی ہے"۔ آپ کو معلوم ہے کہ اس باب میں ترجمان القرآن نے کیا کیا ہے؟ اس نے مودودی صاحب کی آدھی عبارت نقل کی ہے اور باقی حصہ کو حذف کر دیا ہے۔ اگر وہ حصہ بھی نقل کر دیا جاتا تو اسے یہ کہنے کی جرأت نہ پڑتی۔ پورا اقتباس اس طرح ہے۔

> یہ اس لئے کہ اس کی روح، روحِ محمدی میں گم اور اس کی نظر، بصیرتِ نبوی کے ساتھ متحد ہو جاتی ہے۔ اس کا دماغ اسلام کے سانچہ میں ڈھل جاتا ہے اور وہ اس طرح دیکھتا اور سوچتا ہے جس طرح اسلام چاہتا ہے کہ دیکھا اور سوچا جائے۔ اس مقام پر پہنچ جانے

بعد انسان اسناد کا زیادہ محتاج نہیں رہتا، وہ اسناد سے مدد ضرور لیتا ہے مگر اس کے فیصلے کا مدار اس پر نہیں ہوتا۔ وہ بسا اوقات ایک غریب، ضعیف، منقطع السند، مطعون فیہ حدیث کو بھی لے لیتا ہے اسلئے کہ اس کی نظر اس افتادہ پتھر کے اندر ہیرے کی جوت دیکھ لیتی ہے اور بسا اوقات وہ غیر معلل، غیر شاذ، متصل السند، منقول حدیث سے بھی اعراض کر جاتا ہے اسلئے کہ اس جام زریں میں جو بادۂ معنی بھری ہوئی ہے وہ اسے طبیعتِ اسلام اور مزاجِ نبوی کے مناسب نظر نہیں آتی۔

آپ نے غور فرمایا کہ ترجمان القرآن نے مودودی صاحب کے مضمون کے اس حصے کو حذف کر دینے سے لوگوں کو کتنے بڑے فریب میں مبتلا کرنا چاہا ہے۔ اس نے لکھا ہے کہ اس طرح کا ذوق نقدِ حدیث کا واحد معیار نہیں ہوتا۔ مودودی صاحب فرماتے ہیں کہ اس طرح کا ذوق رکھنے والا اسناد سے مدد ضرور لیتا ہے مگر اس کے فیصلہ کا مدار اس پر نہیں ہوتا، یعنی اس کے فیصلہ کا مدار اپنی بصیرت ہی پر ہوتا ہے۔ چنانچہ انھوں نے کھلے کھلے الفاظ میں اعلان کر دیا کہ

روایت کے بارے میں محدثین کا مستند ہونا یہ معنی کب رکھتا ہے کہ جن امور کا تعلق عقل، درایت، اور فہم و استنباط سے ہے ان میں بھی وہ بالکلیہ معتمد سمجھے جائیں۔ (ترجمان القرآن جلد ۱۰ عدد ۶ صفحہ ۲۹۸)

یہی وجہ تھی کہ جب ان کے ایک فریقِ مقابل نے وہ احادیث پیش کیں جن میں زمین کو کرایہ پر دینے کی ممانعت تھی تو مودودی صاحب نے (جو نظامِ سرمایہ داری اور جاگیرداری کے بہت بڑے حامی ہیں) انھیں یہ کہہ کر ٹھکرا دیا کہ

دراصل نبی صلعم نے فرمایا کچھ اور تھا اور وہ روایات میں بیان کچھ اور طرح ہو گیا۔ (مسئلہ ملکیت زمین صفحہ ۵۲)

وہ تو اس باب میں اس سے بھی آگے بڑھتے ہیں اور (معاذ اللہ) خود رسول اللہ پر بھی محاکمہ فرمانے لگ جاتے ہیں۔ چنانچہ وہ دجال کے متعلق احادیث پر بحث کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ

ان امور کے متعلق جو مختلف باتیں حضورؐ سے احادیث میں منقول ہیں وہ دراصل آپ کے قیاسات ہیں جن کے بارہ میں آپ خود شک میں تھے۔ (رسائل و مسائل صفحہ ۵۵)

واضح رہے کہ مودودی صاحب خود ہی یہ بھی فرما چکے ہیں کہ

جس وقت اللہ تعالیٰ نے آپ کو منصبِ رسالت سے سرفراز کیا اس وقت سے لیکر حیاتِ جسمانی کے آخری سانس تک آپ ہر آن اور ہر حال میں خدا کے رسول تھے۔ آپ کا ہر فعل اور ہر قول رسولِ خدا کی حیثیت سے تھا ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ میں کہتا ہوں کہ آنحضرتؐ جس وقت، جس حالت میں جو کچھ بھی کرتے تھے رسول کی حیثیت سے کرتے تھے۔ (تفہیمات حصہ اول صفحہ ۲۴۲ - ۲۴۳)

اس سے ظاہر ہے کہ خود مودودی صاحب کے اپنے بیان کے مطابق دجال کے متعلق بھی جو کچھ رسول اللہؐ نے فرمایا وہ رسول کی حیثیت سے تھا اور منجانب اللہ تھا لیکن مودودی صاحب کا ارشاد یہ ہے کہ یہ باتیں محض آپ کے قیاسات تھے جن کے بارہ میں آپ خود شک میں تھے۔

ہم پوچھتے ہیں کہ کیا ذاتِ رسالت مآبؐ کی شانِ اقدس میں اس سے بڑی گستاخی مرزا غلام احمد نے بھی کی تھی؟ اور ذرا آگے بڑھئے تو یہ بات رسول اللہؐ تک ہی نہیں رہتی بلکہ خود اللہ تعالیٰ تک پہنچ جاتی ہے۔ ذرا غور کیجئے کہ ایک شخص اس قدر بےباک اور گستاخ ہے کہ

اس کے قلم کی زد سے نہ اللہ تعالیٰ بچتے ہیں نہ اس کے رسول محفوظ رہتے ہیں۔ اور اس کی جماعت ہے کہ برابر اس کی پرستش کئے جا رہی ہے۔ ہم نے پرستش کا لفظ سوچ سمجھ کر لکھا ہے۔ اس شخص کی جماعت نے آج تک کسی ایک معاملہ میں بھی یہ نہیں کہا کہ مودودی صاحب غلطی پر تھے۔ کسی کو اس طرح تنقید کی حد سے بالا سمجھنا اسے معبود بنا لینا ہے۔

باقی رہا یہ کہ اصلاحی صاحب نے یہ کہا تھا یا نہیں کہ میں مودودی صاحب کو مزاج شناسِ رسول سمجھتا ہوں تو عدالت کی جو کارروائی اخبارات میں شائع ہوئی تھی اس میں یہ چیز واضح الفاظ میں لکھی تھی۔ لیکن اس میں کسی الجھاؤ کی کوئی بات ہی نہیں۔ آپ اصلاحی صاحب سے کہئے کہ وہ براہ راست اس سوال کا جواب دیں کہ وہ مودودی صاحب کو مزاج شناس رسول سمجھتے ہیں یا نہیں۔ اس کے بعد ضرورت ہوئی تو یہ بھی بتایا جا سکتا ہے کہ انھوں نے عدالت میں کیا کہا تھا۔

جماعت اسلامی بالعموم طلوع اسلام کو منکر حدیث کہہ کر موردِ طعن و تشنیع بناتی رہتی ہے۔ چنانچہ ترجمان القرآن کی زیر نظر اشاعت میں بھی اس کے متعلق یہی کچھ کہا گیا ہے۔ ہم اس باب میں مرتب ترجمان القرآن سے براہِ راست ایک سوال کرنا چاہتے ہیں اور وہ سوال یہ ہے کہ

کیا آپ کو علم ہے کہ مولانا ظفر احمد عثمانی صدر جمعیۃ علمائے اسلام نے یہ فتویٰ دیا ہے کہ ابوالاعلیٰ مودودی منکر حدیث ہے نیز گمراہ اور مبتدع ہے۔ ایسے شخص سے مسلمانوں کو دور رہنا چاہیئے اور اس کی باتوں پر ہرگز اعتماد نہ کرنا چاہیئے اور اس کو جاہلِ اجہل سمجھنا چاہیئے۔

اگر مولانا عثمانی کا یہ فتویٰ غلط ہے تو جماعتِ اسلامی نے آج تک اس کے متعلق کیا کیا اور اگر یہ صحیح ہے تو انھوں نے ابوالاعلیٰ صاحب مودودی کے متعلق کیا کیا ہے؟

سلیم کے نام خطوط

ان خطوط میں ملت کے اس نوجوان تعلیم یافتہ طبقہ کو مخاطب کیا گیا ہے جو مشرق و مغرب کے تصادم کے بعد دورِ ملوکیت کے وضع کردہ غلط مذہبی تصورات سے متنفر ہوتے ہوئے اسلام اور اس کے سرچشمۂ حیات قرآن سے بھی ہاتھ دھو چلا تھا۔ عقائد و نظریات جیسے خشک اور نازک مسائل پر اس عمدگی سے بحث کی گئی ہے کہ محسوس ہی نہیں ہوتا کہ ہم کسی خشک فلسفیانہ بحث کو پڑھ رہے ہیں۔ باتوں باتوں میں وہ دقیق اور معرکہ آرا مسائل حل کر کے رکھ دیئے گئے ہیں جنھیں ضخیم مجلدات میں بھی حل نہیں کیا جا سکا تھا۔ یہ خطوط ملک کے گوشہ گوشہ سے خراجِ تحسین وصول کر چکے ہیں۔ قرآن کی روشنی اور محترم پرویز صاحب کا بصیرت افروز قلم۔

بڑا سائز۔ ضخامت قریب سوا چار سو صفحات۔ کتابت و طباعت دیدہ زیب کاغذ سفید۔ گرد پوش مصور مشرق جناب چغتائی کے حسین قلم کا مرقع۔

قیمت چھ روپے علاوہ محصول ڈاک۔

ادارۂ طلوع اسلام کراچی

حقایق و عبر

(۱) رویتِ ہلال
پاکستان چونکہ ایک اسلامی مملکت ہے اس لئے اس میں حاملینِ شریعت کو اپنے اختیاراتِ خصوصی کی نمود کے جو مواقع نصیب ہوئے ہیں ان میں عیدین کے چاند کا فیصلہ خاص اہمیت رکھتا ہے۔ چنانچہ اس سال عید الاضحیٰ کے چاند کے متعلق بھی دارالخلافہ کراچی میں بڑی گرما گرمی رہی۔ ایک شیخ الاسلام نے اعلان فرمایا کہ عید ۱۱ اگست کو ہوگی۔ اس پر حجاز کے سفیر متعینہ پاکستان نے اعلان کیا کہ حج ۸ اگست کو ہے اس لئے عید ۹ اگست کو ہونی چاہیے۔ شیخ الاسلام صاحب کے مدِمقابل ایک مفتی اعظم صاحب ہیں انھوں نے کہا کہ اس اہم مسئلہ کے متعلق ہم مصروفِ تحقیقات ہیں اس لئے ہمارے فیصلہ کا انتظار کیا جائے۔ ہالا (سندھ) کے ایک مفتی صاحب نے انھیں لکھا کہ یہاں شہادت موجود ہے کہ چاند سنیچر کی شام کو دیکھا گیا۔ انھوں نے جواب میں لکھا کہ ان گواہوں کو ہمارے پاس بھیجو۔ ہم اپنا اطمینان خود کرنا چاہتے ہیں۔ معلوم نہیں وہ گواہ کراچی تک پہنچے یا نہیں لیکن اعلان یہی ہوا کہ عید ۱۰ اگست کو ہوگی۔ اس اعلان کے ساتھ ان مفتی اعظم صاحب کا ایک بیان بھی شائع ہوا جس میں انھوں نے لکھا کہ میں محض اختلاف سے بچنے کی خاطر اسے تسلیم کر رہا ہوں کہ عید ۱۰ اگست کی ہوگی ۔ ۔ ۔ ورنہ عید تو درحقیقت ۱۱ اگست ہی کو ہونی چاہیے تھی۔

کیونکہ چاند کے تعین کا مسئلہ مذہب سے متعلق ہے اس لئے حکومت اس میں دخل انداز نہیں ہوا کرتی۔ لیکن انھیں اس امر کا فیصلہ کرنا ہوتا ہے کہ دفاتر میں تعطیل کس دن کی ہوگی۔ اسلئے کہ یہ سوال امورِ مملکت سے متعلق ہے۔ لہٰذا انھیں اربابِ شریعت کی طرف سے اس فیصلہ کا انتظار کرنا پڑتا ہے۔ چونکہ ایسے اہم امور کے فیصلے جلدی نہیں ہو جاتے اس لئے عید کی چھٹی کا اعلان بھی آخری وقت تک ملتوی ہوتا رہتا ہے۔

دنیا یہ سب کچھ دیکھتی ہے اور ہنستی ہے کہ جن رصدگاہوں میں سو سو سال پہلے یہ متعین کیا جاسکتا ہے کہ چاند کو گرہن کب لگے گا۔ کیا وہ رصدگاہیں یہ نہیں بتاسکتیں کہ چاند کب نکلا۔ لیکن انھیں معلوم نہیں کہ چاند کے نکلنے اور رویتِ ہلال میں بڑا فرق ہے۔ چاند کا نکلنا امورِ دنیا سے متعلق ہے جس کا فیصلہ رصدگاہیں کر سکتی ہیں لیکن رویتِ ہلال ایک خالص مذہبی مسئلہ ہے جس کا فیصلہ شیخ الاسلام اور مفتی اعظم ہی کر سکتے ہیں۔

---

(۲) فریضۂ حج
اس دفعہ خبر مشہور ہوئی کہ پاکستان کے گورنر جنرل اور وزیرِ اعظم دونوں حج کے لئے تشریف لیجا رہے ہیں سیاسی حلقوں میں یہ خبر پھیلنی شروع ہوگئی کہ مکہ میں مختلف اسلامی ممالک کے مشاہیر کے جمع

ہونے کا امکان ہے۔ وہاں سیاسی امور پر مذاکرات ہوں گے۔ یہ خبریں کچھ اس انداز سے پھیل رہی تھیں جن سے اندازہ ہوتا تھا کہ کہنے والوں کا مقصد یہ ہے کہ حج کو محض ایک بہانہ بنایا جا رہا ہے، دراصل مقصد باہمی مذاکرات ہی ہیں۔ چنانچہ گورنر جنرل اور وزیراعظم صاحب حج کو تشریف لے گئے اور وہاں سے خبریں بھی آئیں کہ مختلف مشاہیر سے کچھ باتیں ہوئیں۔ یہ سب کچھ ایسے سمٹے ہوئے انداز میں ہوتا رہا گویا یہ بات کچھ نامناسب سی تھی کہ حج کی تقریب پر باہمی مذاکرات ہوں۔ اگر ان لوگوں کے سامنے قرآن ہوتا تو انھیں معلوم ہوتا کہ حج کی تقریب کا مقصد ہی یہ ہے کہ مختلف ممالک کے نمائندے جمع ہوں اور وہاں ملت کے منافع اور مصالح کے لئے باہمی مشورے ہوں۔ حج کا یہ مقصد نگاہوں سے اوجھل ہو گیا اور اس کے بعد اسے "عبادت" قرار دیدیا گیا جس کا کوئی متعین مفہوم کسی کے ذہن میں موجود نہیں ہے۔ انھیں کون بتائے کہ ملتِ اسلامیہ کا ہر قدم جو دنیا میں خدا کے قانون کو عملاً نافذ اور غالب کرنے کے لئے اٹھتا ہے عبادت ہوتا ہے۔ اور جب عبادت کا یہ مفہوم ذہنوں سے اوجھل ہو جائے تو پھر وہ پرستش بن کر رہ جاتی ہے۔ ہم نے اس مقصد کو ذہنوں سے نکال دیا لیکن اب زمانے کے تقاضے ہمیں مار مار کر اُدھر لا رہے ہیں۔ چنانچہ مصر کے وزیراعظم جنرل ناصر نے بھی اعلان کیا ہے کہ حج کے سالانہ اجتماع کو ایک خاص سیاسی اہمیت حاصل ہونی چاہئے۔ یہ درحقیقت ہماری پولیٹیکل کانفرنس ہے جس میں مختلف اسلامی ممالک کے نمائندے، ان کے مفکرین، ان کے علماء، ان کے مصنفین، صنعت و حرفت کے ماہرین، تجار اور ملت کے نوجوان اس مؤتمر عالم اسلامی میں اپنی ملی سیاست کے خطوط متشکل کریں اور باہمی تعاون کی صورتوں پر غور و خوض کریں۔ (بحوالہ ڈان کراچی)

اس سے امید بندھتی ہے کہ آہستہ آہستہ یہی حج اس نظام کی مرکزی حیثیت اختیار کر لے گا جسے قرآن نوعِ انسانی کی ربوبیت کے لئے قائم کرنا چاہتا ہے۔ جس دن کعبہ کو یہ مرکزی حیثیت مل گئی وہ دن نوعِ انسانی کی تاریخ میں سب سے زیادہ قابلِ فخر دن ہوگا۔ یہی وہ بلند نصب العین تھا جس کا سنگِ بنیاد حضرت ابراہیمؑ کے مقدس ہاتھوں سے نصب کرایا گیا تھا اور جس کی طرف انسانیت رفتہ رفتہ بڑھتی چلی آ رہی ہے۔ یعنی تمام نوعِ انسانی کی عالمگیر برادری۔ ان سب کا ایک ضابطۂ قانون۔ ایک نظام۔ اور اس نظام کا ایک مرکز۔ سب ایک خدا کے بندے اور ان کے اوپر ایک خدا کا قانون۔ یہ ہے قرآن کا منتہا جس کی طرف انسانیت چلی آ رہی ہے۔

---

(۳) بابُ الحیل حکومت کی طرف سے زکوٰۃ کمیٹی کی جو رپورٹ شائع ہوئی ہے (جس کے متعلق تفصیل سے الگ لکھا جا چکا ہے)۔ اس میں بعض باتیں بڑی دلچسپ ہیں۔ مثلاً ایک تجویز یہ کی گئی کہ زکوٰۃ فنڈ سے یتیم خانے قائم کئے جائیں جہاں یتیم و لاوارث بچوں کی رہائش اور تعلیم و تربیت کے سامان مہیا کئے جائیں۔ اس پر ارکانِ کمیٹی میں سے بعض نے یہ اعتراض کیا کہ چونکہ ادائیگی زکوٰۃ کے لئے تملیک شرط ہے (یعنی جن لوگوں کو زکوٰۃ دی جائے ضروری ہے کہ انھیں اس کا مالک بنا دیا جائے) اس لئے یتیم خانوں وغیرہ کی تعمیر پر یہ روپیہ صرف نہیں کیا جا سکتا۔ اس شرعی

دشواری کا حل یہ تجویز کیا گیا کہ زکوٰۃ کا روپیہ بالغ فقراء کو دیکر پھر ان کی اجازت سے وہ روپیہ واپس لے لیا جائے اور اسے یتیم خانوں کی تعمیر وغیرہ پر صرف کر دیا جائے۔ آپ نے غور فرمایا کہ "شریعتِ حقہ" نے اپنے اندر کس قدر آسانیاں رکھی ہیں۔ لیکن یہاں یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ جس فقیر کو آپ وہ رقم دیں وہ اگر اسے واپس کرنے پر تیار نہ ہو تو پھر آپ کیا کریں گے۔ ہمارے ہاں کے دینی مدرسوں میں تو یہ طریقہ عام ہو چکا ہے۔ ان مدرسوں میں زکوٰۃ کا روپیہ آتا ہے لیکن فتویٰ یہ ہے کہ اس روپیہ سے طلبہ کی مدد تو کی جا سکتی ہے لیکن استادوں کی تنخواہیں نہیں دی جا سکتیں۔ چنانچہ کیا یہ جاتا ہے کہ زکوٰۃ کا روپیہ طلبہ میں تقسیم کر دیا جاتا ہے اور پھر ان سے بطور عطیہ واپس لے لیا جاتا ہے اور ان عطیوں سے اساتذہ کی تنخواہیں ادا کر دی جاتی ہیں۔ دیکھا آپ نے کس طرح سانپ بھی مر گیا اور لاٹھی بھی بچ گئی۔

یہ ہیں ہمارے دینی مدارس کے طلباء اور یہ ہیں وہاں کے اساتذہ جن کی گھٹی میں یہ بات ڈال دی جاتی ہے کہ شرعی فریب کاری سے کس طرح ناجائز، جائز، اور حرام، حلال بن جاتا ہے۔

زکوٰۃ کمیٹی کی رپورٹ میں ایک جگہ یہ بھی لکھا ہے کہ بعض ارکان کمیٹی کی رائے تھی کہ روپوں پر تو زکوٰۃ واجب ہوتی ہے لیکن نوٹوں پر واجب نہیں ہوتی۔

آپ شاید اس پر ہنسیں لیکن اس میں ہنسی کی کوئی بات نہیں۔ شریعت کا مسئلہ یہ ہے کہ ساڑھے باون تولہ چاندی یا ساڑھے سات تولہ سونا ہو تو اس پر زکوٰۃ واجب ہوتی ہے۔ نوٹ چونکہ نہ چاندی ہیں نہ سونا اس لئے ان پر زکوٰۃ کیسے واجب ہو سکتی ہے لیکن سوال یہ ہے کہ اسی اصول کے مطابق پاکستانی روپیہ پر بھی زکوٰۃ کیسے واجب ہوگی کیونکہ یہ بھی تو خالص چاندی کا نہیں ہے۔

پندرہ اگست کا جشنِ آزادی

ہم نے سات سالہ دورِ حکومت میں جشنِ آزادی کس طرح منائے؟ جشنِ آزادی کسے کہتے ہیں؟ ہم نے کیا کچھ کیا اور کیا کچھ ہمیں کرنا چاہیئے تھا؟ ان سوالات کے لئے ادارہ طلوع اسلام

کی عظیم پیشکش "جشن نامے" ملاحظہ فرمایئے

یہ کتاب بلند پایہ حقائق کا مجموعہ اور عبرت و موعظت کا مرقع ہے۔ شروع میں قریب پچاس عنوانات ایسے ہیں جنھیں پڑھ کر بیک وقت آپ کے ہونٹوں پر مسکراہٹ اور آنکھوں میں آنسو آجائیں۔ طنز و تنقید کے ایسے گہرے نشتر اور اثر و درد کے ایسے خونچکاں منظر شاید ہی کہیں مل سکیں۔ کتاب کیا ہے ہمارے چھ سالہ دورِ حاضرہ کی سمٹی ہوئی تاریخ ہے۔ صفحات ۲۵۶ قیمت مجلد مع گرد پوش دو روپے آٹھ آنے۔

ادارۂ طلوع اسلام۔ کراچی

نقد و نظر

محمد اقبال۔ سیرتہٗ وفلسفتہٗ وشعرہٗ (عربی)

ایوانِ خسروی میں جو کچھ ہوتا ہے ہوا کرے۔ کوہکن کے سامنے ہمیشہ ایک ہی تصور رہتا ہے اور وہ یہ کہ

جوئے شیر و تیشہ و سنگِ گراں ہے زندگی

بعض اوقات ایسا بھی ہوتا ہے کہ اس قسم کے کوہکن خود ایواناتِ خسروی میں مل جاتے ہیں۔ ان کا ایک ہاتھ خرد کی گتھیاں سلجھانے میں مصروف ہوتا ہے اور دوسرا، سنگ تراشی سے جوئے شیر لاتے ہیں۔ اسی قسم کا ایک کوہکن ہے جو ہیں، سفیر مصر متعینہ پاکستان ڈاکٹر عبدالوہاب عزام کے بلند و حسین پیکر میں، اپنی بے پناہ منصبی مصروفیات کی ہنگامہ آرائیوں کے باوجود، مصروفِ خارہ شگافی دکھائی دیتا ہے۔ اقبال سے انھیں عشق ہے اور لازوال عشق۔ اسی عشق کا کرشمہ ہے کہ جہاں، انہی جیسے دوسرے نمائندگانِ ممالک عام طور پر وقت نہ ملنے کے شاکی رہتے ہیں، یہ اپنی کوہ کنی کے لئے سورج کی کرنوں سے وقت نچوڑ لیتے ہیں۔ پیامِ مشرق اور ضربِ کلیم کا منظوم (عربی) ترجمہ اس سے پہلے شائع ہو چکا ہے۔ اسرار و رموز کا ترجمہ اشاعت کے لئے تیار رکھا ہے۔ بالِ جبریل کا ترجمہ ضمیرِ شاعر میں پہلو بدل رہا ہے۔ جاوید نامہ، مجلسِ "دراویشِ اقبال" میں (جو انہی کے صحنِ چمن میں منعقد ہوتی ہے اور جہاں ان تراجم کا خمیر تیار ہوتا ہے) آجکل زیرِ مطالعہ ہے۔ اور اسی دوران میں زیرِ نظر کتاب بھی مصر میں چھپ کر سامنے آجاتی ہے۔ یہ کتاب علامہ اقبالؒ کی سیرت، فلسفہ اور شعر کے ابعادِ ثلاثہ پر غائر نگاہ اور عمیق فکر کا نتیجہ ہے لیکن چونکہ لکھی عوام کے لئے گئی ہے اس لئے اندازِ بیان نہایت سلیس اور شگفتہ ہے۔

پیامِ مشرق اور ضربِ کلیم کے تراجم نے اقبال کو (پہلی مرتبہ) عربی بولنے والی دنیا سے بڑے سلجھے ہوئے انداز میں متعارف کرایا ہے۔ اس تعارف سے فطری طور پر ان لوگوں کے دل میں اقبال کے متعلق مزید معلومات حاصل کرنے کی خلش پیدا ہوئی۔ زیرِ نظر کتاب اسی خلش و تشنگی کے لئے سامانِ تسکین کی حامل ہے۔ کتاب تین ابواب اور متعدد فصول پر مشتمل ہے۔ باب اول میں حضرت علامہ کے کوائفِ حیات کو پیش کیا گیا ہے جو سیالکوٹ کے عہدِ طفولیت سے جاوید منزل کے سرودِ رفتہ تک کے متنوع گوشوں کو سامنے لاتے ہیں۔ دوسرے باب میں فلسفۂ اقبال سے بحث کی گئی ہے۔ اقبال کے فلسفۂ خودی کے بنیادی خطوط، اسرار و رموز میں ملتے ہیں اسلئے محترم مصنف نے اس باب میں اسرار و رموز کا پورا خلاصہ پیش کر دیا ہے اور چونکہ وہ اس کتاب کے ترجمہ سے حال ہی میں فارغ ہوئے ہیں اس لئے اس کے اشعار بھی جگہ بہ جگہ کوثرانہ انداز سے سامنے آتے چلے جاتے ہیں۔ چونکہ مجلس اقبال میں، اقبال کا مطالعہ قرآن کی روشنی میں ہوتا ہے اس لئے محترم مصنف نے

ان تصورات پر بھی عمدہ تنقید کی ہے جو قرآن کے خلاف ہیں لیکن جو بدقسمتی سے کسی نہ کسی رنگ میں ہمارے مروجہ معتقدات کے اجزا بن چکے ہیں۔ اس لحاظ سے اس باب کی اہمیت اور افادیت اور بھی بڑھ جاتی ہے۔ اس کے ساتھ ہی انھوں نے ان اعتراضات کے بھی جواب دیئے ہیں جو بعض مفکرینِ مغرب کی طرف سے اقبال کے فلسفہ کے خلاف کئے گئے ہیں۔ تیسرے باب میں اقبال کی شاعری کو آرٹ کے نقطۂ نظر سے دیکھا گیا ہے، اور چونکہ صاحبِ قلم کا اپنا ذوقِ شعر بڑا پاکیزہ اور بلند ہے اس لئے اس باب میں ان کا تبصرہ (جیسا کہ عام طور پر ہوتا ہے) "فضائے رنگ و بو" میں الجھ کر نہیں رہ گیا بلکہ عروسِ معنی کو بے نقاب دیکھنے کی سعی و کاوش کا آئینہ دار ہے۔ اس حصہ میں بھی اقبال کے اشعار (عربی ترجمہ میں) کثرت و فراوانی سے سامنے آتے ہیں۔

کتاب مصر میں چھپی ہے اور بہت صاف چھپی ہے۔ علامہ اقبال اور محترم مصنف کی تصاویر کے علاوہ، حضرت علامہ کے والد مرحوم، ان کے آبائی مکان (واقعہ سیالکوٹ) جاوید منزل اور ان کے مقبرہ کی تصاویر بھی ہیں۔ نیز "علی بخش" کی تصویر بھی جسے صاحبِ کتاب نے "خادم الامین" کے قابلِ احترام لقب سے یاد فرمایا ہے۔ ایک یادگار تصویر وہ بھی شاملِ کتاب ہے جس میں حضرتِ علامہ جامع قرطبہ میں محوِ نماز ہیں اور جو جلال و جمال کا ایسا دلکش و پرشکوہ امتزاج پیش کرتی ہے جو آنکھوں میں سما کر دل کی گہرائیوں میں اتر جاتا ہے۔ (کتاب کے عام نسخے ابھی مصر سے پاکستان نہیں پہنچے۔ اس لئے اس کی اطلاع بعد میں دی جائیگی کہ کتاب پاکستان میں کہاں سے ملے گی۔)

ہم فرہاد العصر جناب ڈاکٹر عزام کی خدمت میں ان کی اس کہکشاں بار "جوئے شیر" پر دلی ہدیۂ تبریک پیش کرتے ہیں۔ اگر پاکستان میں اقبال کی مجلسوں، بزموں اور اکادمیوں کے قائم کرنے والوں میں سے کسی کو بھی اس شعلۂ عشق کی کوئی چنگاری نصیب ہو جاتی تو اقبال، ڈھولک پیٹنے والے ریڈیو کے وحشت کدہ سے رہائی پا کر دلوں کی بستی میں آجاتا۔

روزمرہ زندگی کے اہم مسائل و معاملات کے متعلق، ہماری بصیرت کے مطابق

قرآنی فیصلے

دورِ حاضرہ کی عظیم الشان کوشش جس میں روزمرہ زندگی کے تقریباً ساٹھ اہم مسائل و معاملات کے متعلق قرآن کی روشنی میں بحث کی گئی ہے اور بتایا گیا ہے کہ ان مسائل و معاملات میں قرآن کا فیصلہ کیا ہے۔ یہ کتاب آپ کو دوسرے تمام سہاروں سے بے نیاز کر دے گی۔ اسے فقہ کی کتاب نہ کہئے۔ اس سے قرآن کی بصیرت افروز راہ نمائی حاصل ہوگی۔

ضخامت ۴۰۸ صفحات۔ قیمت مجلد چار روپے (علاوہ محصول ڈاک)

ادارۂ طلوعِ اسلام کراچی

باسمہٖ سبحانہ

اختلافُ اُمّتی رحمۃ

(میری امت کا آپس میں اختلاف رکھنا ایک رحمت ہے)

(علامہ تمنا عمادی ڈھاکہ)

(قسط نمبر ۲)

ابنِ حاجب

اتنی طویل بحث وتحقیق سے یہ ثابت ہوگیا کہ اختلاف اصحابی رحمۃ کی حدیث تو جویبر بن سعید نے گھڑی تھی اور بعض متاخرین نے اس کو اپنی اختلاف پسندی کے جذبے کے ماتحت اپنی کتابوں میں لکھ دیا ہے لیکن اختلاف امتی رحمۃ کا ذکر تو بعض متاخرین نے کیا ہے مگر اس کو صاف طور سے حدیث رسول کہنے کی ہمت کسی کو نہ ہوئی — جامع صغیر میں جو حوالہ نصر مقدسی کی کتاب الحجۃ اور بیہقی کی کتاب الرسالۃ الاشعریہ کا دیا ہے اس کو بھی سخاوی نے واضح کر دیا کہ ان دونوں کتابوں میں بھی اختلاف اصحابی ہی ہے اختلاف امتی کا لفظ نہیں ہے اسی طرح بیہقی کی کتاب المدخل میں اور دیلمی کی مسند الفردوس میں بھی اختلاف اصحابی ہی ہے۔ سبکی کی کتاب کا نام مذکور نہیں ورنہ اس کا بھی پتا لگایا جا سکتا۔ ان کی ساری تصنیفات کا مہیا کرنا اور سب کی ورق گردانی آسان نہیں۔ مگر قرینہ یہی بتاتا ہے کہ انھوں نے بھی اگر لکھا ہوگا تو اختلاف اصحابی ہی لکھا ہوگا۔ کسی کا نام واضح طور سے نہیں پایا گیا کہ اس شخص نے اختلاف امتی رحمۃ کو حدیث رسول قرار دیکر اپنی کتاب میں لکھا ہے بجز ابن حاجب نحوی متوفی ۶۴۶ھ کے کہ انھوں نے اپنی کتاب "المختصر فی مباحث القیاس" میں ان لفظوں کے ساتھ لکھا ہے کہ اختلاف امتی رحمۃ للناس۔ پھر خود سخاوی مقاصد الحسنہ ص۲۶ میں یہ بھی لکھتے ہیں کہ وکثر السوال عنہ یعنی ابن حاجب نے جو یہ لکھ دیا تو اس پر ہر طرف سے سوالات کی بوچھار ہونے لگی۔ یعنی لوگ پوچھنے لگے کہ یہ ساتویں صدی میں نئی حدیث رسول جو پہلے کسی کو کبھی نہیں ملی کہاں سے آگئی؟ مگر سخاوی نے یہ نہیں لکھا کہ آخر ابن حاجب یا ان کے طرفدار اختلاف پسند حضرات نے یا خود سخاوی نے لوگوں کے اس سوال کا کیا جواب دیا؟ —

پھر سخاوی لکھتے ہیں کہ اکثر محدثین کا گمان یہی ہے کہ "اس حدیث کی کوئی اصل نہیں ہے"۔ پھر لکھتے ہیں کہ "لیکن خطابی (متوفی ۳۸۸ھ) نے اپنی کتاب غریب الحدیث میں استطراداً اس کا ذکر کیا ہے اور کہا ہے کہ" اس حدیث پر دو شخصوں نے اعتراض کیا ہے۔ پہلے ایک متعصب شخص ہیں اور دوسرے ملحد، اور وہ دونوں اسحاق الموصلی اور عمرو بن بحر الجاحظ ہیں اور ان دونوں نے کہا کہ اگر اختلاف رحمت ہے تو اتفاق کو عذاب ہونا چاہئے۔ پھر خطابی مشغول ہوئے اس کلام کے رد کرنے میں"۔ اتنا لکھکر سخاوی خود لکھتے ہیں کہ ولم یقع فی کلامہ شفاء فی عزو الحدیث ولکنہ اشعر بان لہ اصل عندہ یعنی ان دونوں معترضوں کے جواب میں خطابی نے جو باتیں بنائیں تو ان کے

کلام میں کوئی بات تشفی بخش اس حدیث کی نسبت نہ نکلی لیکن انھوں نے اتنا بتا دیا کہ ان کے نزدیک اس حدیث کی کوئی اصل ہے۔" میں بھی کہتا ہوں کہ اس کی اصل ضرور کچھ نہ کچھ ہے مگر اس کی بنیاد صرف اختلاف پسندی کے ماتحت فقط وہم وگمان پر ہے۔ وما لہ من قرار۔ جس کے لئے کوئی قرار و ثبات نہیں ہے۔ کمزور مدعیوں کا یہی دستور ہے کہ ان کے دعوے پر کوئی اعتراض کرے تو وہ اپنے دعوے کی دلیل دینے کے عوض معترض کو گالیاں دینے لگتے ہیں۔ یہاں بھی سخاوی نے یہی کیا ہے کہ ابن حاجب کے دعوے کی کوئی دلیل تو نہ دی مگر معترضین کو متعصب و ملحد کہہ کر سمجھے کہ یہی جواب ہو گیا۔

حقیقتِ حال حقیقت یہ ہے کہ پہلی صدی کے اواخر اور دوسری صدی میں عجمی منافقین و ملاحدہ نے دین میں طرح طرح کے اختلافات پیدا کر کے خود رسول اللہ صلعم کی طرف متضاد حدیثیں اور صحابہؓ کی طرف متضاد اقوال پیش کرتے رہنے کا ایک طوفان برپا کر رکھا تھا تو اس وقت اختلاف اصحابی رحمۃ ہی کے گھڑنے کی ضرورت تھی کہ صحابہؓ کا باہمی اختلاف جب رحمت ہے تو پھر خود رسول جو رحمۃٌ للعالمین تھے۔ ان کی حدیثوں میں جو اختلافات ہیں وہ تو اور بھی رحمت واسعہ ہوں گے۔ کیونکہ جہاں تک دین میں اختلافات ہوں گے امت کو وہاں تک پاؤں پھیلانے کیلئے وسیع میدان ملتا جائے گا۔ مگر جب زمانہ آگے بڑھا تو اب اختلافات صرف احادیث نبوی و اقوال صحابہ ہی تک محدود نہ رہے۔ اقوال تابعین و اتباع تابعین اور پھر ائمہ مجتہدین اور ان کے تلامذہ کے فتاوے اور فیصلے بھی انھیں مختلف و متضاد حدیثوں اور قولوں کی بنیاد پر ہونے لگے۔ یہاں تک کہ اسلام جو فرقہ بندی کو شرک قرار دیتا تھا ایسے بے لوث دین میں فرقہ بندیاں پیدا ہونے لگیں، ان فرقوں کے علماء نے دینی اختلافات کا ہر طرف ایک انبار لگا کر رکھ دیا تو اب صرف صحابہؓ کے اختلاف کو رحمت قرار دینے سے تو کام چلتا نظر نہ آیا۔ اسلئے دوسری صدی کے اواخر یا تیسری صدی کے اوائل میں "اصحابی" کے لفظ کو "امتی" کے لفظ سے بدل کر روایت کے سلسلے کو اشاعت کی ہمت نہ پڑی مگر صرف افواہی طور سے عوام میں اختلاف امتی رحمۃ کو آہستہ آہستہ پھیلایا جانے لگا۔ اختلافات عام ہو چکے تھے اس لئے لوگوں نے اس کو اپنے طریق کار کے لئے ایک سند سمجھتے ہوئے قبول کر لیا، اگرچہ یہ سند ان کو خود بلا سند ملی تھی۔ مگر تھی ان کے کام کی بات پھر کیوں نہ قبول کر لیتے۔ یہاں تک کہ سخاوی متوفی ۹۰۲ھ نے اس کو ایک افواہی حدیث قرار دیکر اپنی کتاب میں درج کر ہی دیا اور پھر سیوطی متوفی ۹۱۱ھ نے اس کو اپنی جامع صغیر میں حدیث رسول ہی کی حیثیت سے داخل کر دیا۔ یا کسی دوسرے نے اس کو جامع صغیر میں ٹھونس دیا۔

مختصر یہ ہے کہ اختلاف اصحابی رحمۃ والی حدیث جو میرین سعید الکوفی کی من گھڑت ہے اور اختلاف امتی رحمۃ اسی جو میر والی حدیث پر قیاس کر کے بعد والوں نے ایک قول بنا لیا اور حدیث کہہ کے اس کو مشہور کر دیا۔ کوئی اصل نہ اس کی ہے نہ اس کی۔ اور یہ دونوں قول سراسر گمراہ کن اور نص قرآنی کے خلاف ہیں۔

اتباعِ ہوا و نفس پرستی کا بہانہ اس گمراہ کن، من گھڑت حدیث کو اختلاف پسند طبائع نے اپنی ہوا پرستی و اتباع نفس کے لئے ایک بہانہ بنا لیا ہے اور فرقہ بندی کے شاخ در شاخ خبیث درخت کی آبیاری انھیں وضعی روایتوں کے ناپاک پانی سے کرتے رہتے ہیں۔ کہتے یہ ہیں کہ صحابہؓ اور مجتہدین و علماء کے اختلافات سے امت کیلئے دین میں وسعت پیدا ہو گئی ہے

اور چونکہ ان بزرگوں کے باہمی اختلافات کے تمام پہلو قرآن و سنت ہی سے مستنبط ہیں سلئے ان باہم مختلف و متضاد آرا میں سے جس رائے پر عمل کیا گیا قرآن و سنت ہی پر عمل ہوا۔ قرآن و سنت میں اتنی معنوی وسعت ہے کہ ان تمام مختلف و متضاد آرا ہو احکام کی ان میں گنجائش ہے اور یہ گنجائش اسی لئے قرآن و سنت میں رکھی گئی ہے کہ امت کو اتباع احکام شرعی میں سہولت ہو اور اسی سہولت کو رحمت کہا گیا ہے۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ ہر شخص ہر مسئلے میں مختلف رایوں پر نظر دوڑائے اور اپنے نفع اور اپنے فائدے اور اپنے سوبیتے کو دیکھے جس میں اس کو فائدہ اور سوبیتا نظر آئے اسی پر عمل کرے۔ اگر اپنا نفع اور سوبیتا کسی مسئلے میں اس کو حضرت ابن عباسؓ یا امام ابو حنیفہؒ کی رائے میں معلوم ہو تو اس مسئلے میں وہ ابن عباسؓ یا امام ابو حنیفہؒ کی رائے پر عمل کرے اور جس دوسرے مسئلے میں اس کو حضرت ابو ہریرہؓ یا امام شافعیؒ کی رائے میں سوبیتا محسوس ہو اور اپنا نفع نظر آئے اس مسئلے میں حضرت ابو ہریرہؓ یا امام شافعیؒ کی رائے پر عمل کرے۔ امت کو یہ حق حاصل نہیں ہے کہ صحابہؓ یا ائمہ مجتہدین یا علمائے سلف کے باہمی اختلافات اور ہر ایک کے دلائل کو پیش نظر رکھکر جس کی رائے کو کتاب اللہ سے قریب تر پائے اسی کو واجب العمل سمجھے اور باقی جتنی رائیں کتاب اللہ کے خلاف ہوں یا دور تر ہوں ان سب کو متروک و منسوخ کر دے کیونکہ ایسا کرنے سے اللہ کی رحمت کو ضائع کرنا اور رد کرنا متصور ہوگا۔ اور دین میں جو وسعت قرآن و سنت کی ربڑ والی خاصیت کے مطابق پیدا ہے اسے ختم کر کے شریعت کے چٹیل میدان کو ایک چھوٹی سی چار دیواری کے اندر گھرے ہوئے صحن سے بدل دینا کہا جائے گا۔ اگر اس طرح تمام اختلافات مٹا دیئے گئے تو لوگوں کو اس کا موقع باقی نہ رہے گا کہ لوگ اتباع شریعت کا نام لے کر اپنی خواہش اور اپنے نفس کا اتباع کریں یعنی اگر اختلافات مٹ گئے تو پھر قرآن و سنت کو اپنی خواہش کے تابع رکھنے کا موقع باقی نہ رہے گا بلکہ ہر مسلمان مجبور ہوگا کہ اپنی خواہش اور اپنے نفس کو قرآن و سنت ہی کے تابع رکھے جس کے لئے ہمارے فرقہ پرست علما کبھی تیار نہیں ہو سکتے۔

قرآنِ مبین اور اختلاف

سورۂ بقرہ میں فرمایا گیا ہے کہ کان الناس امۃ واحدۃ فبعث اللہ النبیین مبشرین و منذرین وانزل معھم الکتب بالحق لیحکم بین الناس فیما اختلفوا فیہ وما اختلف فیہ الا الذین اوتوہ من بعد ما جاءتھم البینت بغیا بینھم فھدی اللہ الذین امنوا لما اختلفوا فیہ من الحق باذنہ واللہ یھدی من یشاء الی صراط مستقیم ۔ سارے انسان (دینی حیثیت سے) ایک ہی امت تھے (مگر ان لوگوں نے باہم دینی اختلافات پیدا کر ڈالے) تو اللہ نے (فرمانبرداروں کو) خوشخبری دینے والے اور (نافرمانوں کو نافرمانی کی سزا سے) ڈرانے والے نبی مبعوث فرمائے اور ان نبیوں کے ساتھ حقانیت (و صداقت) کے ساتھ کتاب اتاری تاکہ وہ کتاب ان سب دینی باتوں کا فیصلہ کر دے جن میں لوگوں نے اختلاف پیدا کر رکھا تھا اور انھوں نے (کچھ یونہی) نہیں اختلاف پیدا کیا تھا (بلکہ) ان کے پاس علم (کے ذرائع و وسائل) آ چکے تھے اس کے بعد (بھی اس آئے ہوئے علم سے انھوں نے کچھ فائدہ نہیں اٹھایا اور اپنے اپنے اختلاف پر اڑے رہے) باہمی بغاوت کی وجہ سے۔ تو جو لوگ (واقعی سچے) ایماندار تھے اللہ نے انھیں ہدایت کر دی ان تمام دینی باتوں کی جن میں لوگوں نے اختلاف پیدا کر دیا تھا۔ اور اللہ جس کو چاہتا ہے سیدھے رستے پر لگا دیتا ہے۔ اس آیت کریمہ سے یہ صاف معلوم ہو گیا کہ حضرت آدمؑ جو روئے زمین پر تشریف لائے[1] تو تعلیم الٰہی کے ماتحت اس وقت کی

[1] ہماری بصیرت قرآنی کے مطابق آدم کسی آسمانی جنت سے زمین پر وارد نہیں ہوئے تھے۔ اس نقطہ کی تشریح طلوعِ اسلام میں پہلے کی جا چکی ہے۔ (طلوعِ اسلام)

ضرورت کے مطابق دینی تعلیم بھی ان کو دیدی گئی تھی اور وہ اسی خداوندی تعلیم کے مطابق اپنی اولاد کی تعلیم فرماتے رہے۔ کچھ دنوں کے بعد ان کی اولاد اور اولاد در اولاد میں فرمانبردار و نافرمان ہر طرح کے لوگ پیدا ہوتے رہے اور الذین اٰمنوا والذین کفروا دو قومیں ان کی نسل سے آخر ہو کر رہیں۔ الذین اٰمنوا میں عباد اللہ الصالحین بھی تھے اور وہ بھی تھے جو خلطوا عملاً صالحاً واٰخر سیئاً یعنی پختہ کار صالحین بھی تھے۔ اور ہم جیسے گنہگار مسلمان بھی۔ مگر گناہ کے مرتکب گناہ کو گناہ سمجھتے تھے، اسلئے کبھی نہ کبھی توبہ کر لیتے تھے جس سے کوئی گناہ ہو بھی جاتا تھا وہ دوسری نیکیاں کرتا تھا اور ان گناہوں کی وجہ سے اس کے عقائد و عبادات بدل نہیں جاتے تھے، اور جس کو عقائد و عبادات ہی کے تسلیم کرنے سے انکار تھا وہ کھلا ہوا کافر تھا۔ ممکن ہے کہ اس وقت بھی کچھ لوگ منافق ہوں جو بظاہر مسلمان ہوں اور دل میں انکار کو چھپائے رکھتے ہوں۔ یا تذبذب میں مبتلا ہوں۔ مگر یہ صورت مسلمانوں کی جماعت میں پہلے نہ تھی کہ احکام دین ہی میں اختلاف پیدا کر کے شریعت کا نام لیکر اپنی خواہشوں کی تکمیل کرتے رہیں۔ مگر رفتہ رفتہ کچھ لوگوں نے ایسا بھی کرنا شروع کیا کہ جن باتوں کا حکم تھا جو چیزیں جائز و حلال تھیں ان پر خواہ مخواہ قیاس کر کر کے ان چیزوں کو بھی جائز و حلال قرار دینے لگے جن کے جواز و حلت کا کوئی حکم نہیں آیا تھا۔ یہانتک کہ جو باتیں دین میں داخل نہ تھیں لگے ان کو بھی دین میں داخل کرنے اور اس میں ہر ایک دوسرے پر سبقت لیجانے کی کوشش کرنے لگا، بہت سے ممنوعات کے ارتکاب کیلئے شرعی حیلے تلاش کئے جانے لگے۔ مختلف جماعتیں بن گئیں، ہر جماعت کے متعدد رہنما اور امام کھڑے ہو گئے اور ایک نے دوسرے کے نکالے ہوئے کام کو غلط اور ناجائز کہنا شروع کیا۔ یہانتک کہ رفتہ رفتہ وہ امۃ واحدہ متعدد مختلف امتوں میں بٹ کر رہ گئی۔ اور وہ حضرت آدم والی خالص تعلیم دنیا میں باقی نہ رہی تو اللہ تعالیٰ نے لوگوں کے باہمی دینی اختلافات کے فیصلے کے لئے انبیاء علیہم السلام کو مبعوث کیا اور ان پر اپنی کتاب اتاری تاکہ جو نبی جس کتاب کے ساتھ مبعوث ہوا ہے وہ اس کتاب کے مطابق لوگوں میں تمام دینی اختلافات کا فیصلہ کر دے اور لوگوں کو دینی اختلافات میں مبتلا، فرقہ بندی کی دلدل میں پھنسا ہوا نہ چھوڑا جائے بلکہ پھر لوگ صرف مسلمان اور کفار دو ہی جماعتوں میں بٹ کر رہیں۔ جو ایمان نہ لائیں وہ کھلے ہوئے کافر ہیں اور جو ایمان لے آئیں وہ پھر ایک امت مسلمہ واحدہ بن کر رہیں۔ باہمی دینی اختلافات اور فرقہ بندیوں میں مبتلا نہ رہیں اسی لئے جو نبی بھی آئے ان کا اہم ترین فریضہ یہی رہا کہ لوگوں کے دینی اختلافات کا فیصلہ کر کے ساری امت کو ایک دین کا متفقہ طور سے بلا اختلاف پابند بنا دیں۔ چنانچہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام جب بنی اسرائیل کی طرف مبعوث ہوئے تو انھوں نے فرمایا قد جئتکم بالحکمۃ ولابین لکم بعض الذی تختلفون فیہ۔ میں تمہارے پاس حکمت (کی باتیں) لیکر آیا ہوں (تاکہ حکمت کی تمہیں تعلیم کروں) اور بعض ان باتوں کو جن میں تم باہم اختلاف رکھتے ہو، میں (ان کا قول فیصل) بیان کر دوں (زخرف ع۶)۔ مندرجہ بالا آیت میں "بعض الذی تختلفون فیہ" کا لفظ خاص طور پر قابل غور ہے۔ کونسی ....

... بعض باتیں یعنی جن باتوں کا تعلق دین سے ہے محض دنیاوی اختلافات جن کا دین سے کوئی تعلق نہیں مثلاً کاشتکاری کے طریقوں میں فلسفہ طبیعیات کے بعض مسائل میں یا اور اسی قسم کی باتیں جن میں عقلی اختلافات ہوں ان کا فیصلہ نبی کے فرائض میں نہیں، ان باتوں میں نبی و رسول کی حیثیت عام انسانوں کی طرح ہوتی ہے اسی لئے آنحضرت صلعم نے فرمایا کہ انتم اعلم بامور دنیاکم تم دنیاوی امور کے زیادہ جاننے والے ہو، کیونکہ ان باتوں کا تعلق تجربوں سے ہے اور نبی کو اپنے فرائض کی مصروفیت و انہماک کی وجہ سے ان خالص دنیاوی

باتوں سے متعلق تجارب حاصل کرنے کے مواقع کم ملتے ہیں۔ اسی لئے حضرت عیسیٰؑ نے فرمایا کہ ہم تمہارے بعض اختلافات کا فیصلہ کر دینے کے لئے آئے ہیں۔

ہمارے حضرت خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وسلم کو بھی فرمایا گیا کہ وما انزلنا علیک الکتٰب الا لتبین لھم الذی اختلفوا فیہ۔ اور (اے رسول) ہم نے اس کتاب (قرآن مبین) کو تم پر اسی لئے اتارا ہے کہ تم ان باتوں (کے قول فیصل) کو ان لوگوں کے سامنے بیان کر دو جن (دینی باتوں) میں انھوں نے باہمی اختلاف پیدا کر رکھا ہے۔ (نحل ۸۳)

مذکورہ بالا آیات کریمہ سے یہ واضح ہو گیا کہ اختلاف دینی امور میں بغیاً بینھم باہمی بغاوت و سرکشی ہی کی وجہ سے پیدا ہوا کرتا ہے بلکہ پیدا کیا جاتا ہے اور اسی بغض و عناد کی وجہ سے ان کا فیصلہ نہیں کیا جاتا اور ہر فریق اپنی رائے پر جو دوسرے سے مختلف ہوتی ہے قائم رہتا ہے اور ضد اور ہٹ دھرمی پر اتر آتا ہے۔

دوسری بات یہ ثابت ہو رہی ہے کہ دینی اختلافات کا فیصلہ کر کے ایک صحیح رائے پر ساری امت کا مجتمع ہونا ضروری اور فرض ہے اور یہ ایسا ضروری فریضہ ہے کہ اسی کیلئے انبیاء علیہم السلام بھیجے گئے اور اسی لئے ان پر کتابیں اتاری گئیں۔

تیسری بات یہ ثابت ہوئی کہ دینی اختلافات کے فیصلے کے لئے کتاب اللہ ہے۔ انبیاء علیہم السلام بھی کتاب اللہ ہی کے مطابق لوگوں کے تمام دینی اختلافات کے فیصلے کرتے رہے اور ہر امت اپنے نبی کی تعلیم کے مطابق کتاب اللہ سے اپنے اختلافات کا فیصلہ کرتی رہی جب تک وہ امت راہ راست پر رہی اور اپنی کتاب کو کھو نہیں بیٹھی۔ جب کوئی امت اپنے نبی پر نازل شدہ کتاب کھو بیٹھی یا تحریف و تصحیف کر کے اس کو ضائع کر بیٹھی تو اللہ نے پھر دوسرا نبی بھیجکر دوسری کتاب بھیجی جو پہلی کتاب کی مصدق ہوئی۔ مگر بہر حال اختلافات کے فیصلے کتاب اللہ ہی کے مطابق انبیاء علیہم السلام اور ان کے سچے پیرو کرتے رہے۔ محض اپنی عقل و ذہانت پر کسی نبی نے اعتماد کیا نہ ان کے سچے متبعین نے۔

چوتھی بات یہ کہ ہمارے نبی حضرت خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وسلم پر بھی قرآن جو اترا تو آپ کو بھی لوگوں کے دینی اختلافات کے فیصلے قرآن ہی کے مطابق کرنے پر مامور کیا گیا اور یقیناً آپ نے اپنے پورے عہد نبوت میں جتنے فیصلے کئے وہ قرآن کے مطابق ہی کئے۔ اسلئے آپ کے بعد آپ کے خلفائے راشدین و اجلہ صحابہ میں سے جس کو کسی دو جماعتوں یا دو شخصوں کے درمیان کسی دینی اختلاف کے فیصلے کا موقع ملا تو انھوں نے قرآن کے مطابق ہی فیصلہ کیا۔

پانچویں بات مذکورہ بالا آیات سے نہیں تو قرآن مبین کے دوسرے مقامات سے یہ ضروری بات ہے کہ ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم خاتم النبیین ہیں اسلئے آپ کی بعثت کے بعد نبیوں کی بعثت کا سلسلہ ختم ہو گیا۔ تو جب کوئی نبی اب نہیں آنے کا تو پھر قرآن مجید کے بعد کوئی دوسری کتاب بھی اللہ تعالیٰ کی طرف سے نہیں اترنے کی۔ اسی لئے اس کتاب کی پوری حفاظت کا وعدہ فرمایا گیا کہ نہ یہ کتاب گم ہو سکتی ہے نہ ضائع ہو سکتی ہے اور نہ اس میں کسی طرح کی تحریف و تصحیف کا امکان ہے۔ اور یہ سب باتیں قرآنی تصریحات ہی سے ثابت ہیں اور مشہور و معروف ہیں اسلئے ان کے دلائل قرآنی آیات سے بیان کرنے کی کوئی ضرورت نہیں معلوم ہوتی۔ عیاں راچہ بیاں۔

اور جس کو کسی قسم کی ضرورت محسوس ہو وہ میری کتاب "اعجاز القرآن" کا مطالعہ کرے۔

ان پانچ باتوں کے بعد یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ جب قرآن کے ساتھ رسول اللہ صلعم کی بعثت پورے عالم انسانیت کی طرف ہوئی ہے تو سارے انسانوں کے دینی اختلافات کے فیصلے قرآن مبین ہی کے مطابق ہونے چاہئیں تو سب سے پہلے تو یہی دیکھنا ہے کہ جن پر قرآن اترا جن کو اللہ نے قرآن اسی لئے دیا کہ لتبین لہم الذی اختلفوا فیہ۔ تاکہ (اے رسول) تم (اس قرآن کے مطابق) لوگوں کے اختلافات (کے قول فیصل) کو بیان کردو۔ (نحل ۸) تو آپ نے مشرکین وکفار اور اہل کتاب یہود و نصاریٰ وغیرہم کے دینی اختلافات کے فیصلے قرآن مجید کے مطابق کس طرح فرمائے اور صحابہؓ کو قرآن سے فیصلے کرنے کی تعلیم کس طرح دی؟ آیا فیصلہ کرنے کے اصول آپ نے خود بنائے، یا یہ بھی قرآن مبین ہی میں بتا دیئے گئے ہیں؟۔ انہی قرآن کے بتائے ہوئے اصول کے مطابق خود نبی کریم صلعم نے بھی لوگوں کے اختلافات کے فیصلے کئے اور خلفائے راشدین اور دوسرے صحابہؓ نے بھی؟

دین کے اجزاء دین کے چار اجزا ہیں، عقائد، عبادات، اخلاق اور معاملات۔ اختلاف پیدا کرنے والوں نے ان چاروں باتوں میں اختلافات پیدا کئے ہیں۔ عقائد کا تعلق دل سے ہے اسلئے کہ وہ ایک باطنی چیز ہے، ان کا عملی ثبوت عبادات سے لیا جاتا ہے، اسی طرح اخلاق کا تعلق بھی دل سے ہے، ان کا عملی ثبوت معاملات کے ذریعے دیا جاتا ہے۔ منافقین جس طرح ظاہری عبادات میں مسلمانوں کے ساتھ شریک رہ کر اپنے متعلق یہ جھوٹا ثبوت بہم پہنچاتے ہیں کہ ہم بھی عام مسلمانوں ہی جیسے عقائد رکھتے ہیں۔ اسی طرح بعض خود غرض مگر عقلمند بداخلاق لوگ ظاہری حسن اخلاق برت کر عوام کو اپنے حسن اخلاق کا دھوکا دیا کرتے ہیں جس طرح بعض لوگ ووٹ لینے کے لئے جاڑوں میں فقراء و مساکین میں کمبل تقسیم کیا کرتے ہیں اور بعض حکیم ڈاکٹر اپنا مطب جمانے کی غرض سے شروع شروع غربا میں مفت دوائیں تقسیم کیا کرتے ہیں۔ یا بعض تجار و اہل دول ہر جمعرات کو فقیروں کی ایک بھیڑ دروازے پر لگائے رکھتے ہیں اور سب کو ایک ایک یا دو دو پیسے تقسیم کیا کرتے ہیں جس سے کسی کا بھی کچھ کام نہیں چلتا، بلکہ لوگوں کو بھیک مانگنے کی عادت سی ہو جاتی ہے۔ وغیر ذلک۔ یعنی جب تک صحیح عبادات صحیح عقائد کے ساتھ نہ ہوں اور حسن معاملات حسن اخلاق کے ماتحت نہ ہوں اس وقت تک وہ عقائد و عبادات اور وہ اخلاق و معاملات صحیح معنوں میں دین اور عنداللہ معتبر نہیں ہوتے۔ اگرچہ عام مسلمانوں کو یہی لازم ہے کہ وہ ظاہری حالات پر حکم لگائیں اور جس کے عبادات صحیح دیکھیں اس کے عقائد کو بھی صحیح ہی سمجھیں جب تک وہ اپنے غلط عقائد کو خود ظاہر نہ کرے۔ اسی طرح کسی کے حسن معاملات کو دیکھکر اس کو حسن اخلاق والا ہی سمجھیں اس پر ریاکاری یا خود غرضی کی تہمت نہ لگائیں۔

دین میں اختلاف تو دین کی باتوں میں اختلاف کے یہ معنی ہیں کہ عقائد و عبادات دونوں میں یا کسی ایک میں اختلاف ہو۔ یا اصول اخلاق و اصول معاملات میں اختلاف ہو، یا دونوں میں اختلاف ہو، یا ان چاروں اجزا میں سے کسی دو میں یا تین میں یا چاروں میں اختلاف پیدا ہو جائے۔

اختلاف و نزاع کا فرق اختلاف کا تعلق ہے رائے سے، خیال سے، عندیے سے، جس کے ماتحت عملی اختلاف بھی ہو سکتا ہے

اور ہوا کرتا ہے مگر وہ عملی اختلاف دراصل اختلاف رائے کے ماتحت ہی ہوتا ہے۔ اگر اختلاف رائے نہ ہو تو پھر باہم اعمال بھی مختلف نہ ہوں۔

اور نزاع و تنازع کا تعلق معاملات سے ہے نفس حقوق سے بھی تنازع کا تعلق نہیں۔ بلکہ ادائے حقوق سے اس کا تعلق ہوتا ہے نفس حقوق میں بھی اختلاف ہی ہو سکتا ہے، کیونکہ کس کا حق کس پر کیا ہے اور کتنا ہے، اس کا تعلق رائے سے ہے نہ کہ عمل سے۔ عمل تو کسی ایک رائے کو تسلیم کرنے کے بعد اس کے مطابق یا مخالف دیکھا جاتا ہے۔

عقائد و عبادات اور اصول اخلاق و اصول معاملات کی تعلیم کتاب اللہ میں نہایت وضاحت سے فرما دی گئی ہے اسلئے ان باتوں میں کسی کو اختلاف پیدا کرنے کا کوئی حق نہیں۔ ان باتوں میں جب اختلاف پیدا ہوتے ہیں تو یقیناً بینھم آپس کی بغاوت و عناد ہی سے پیدا ہوتے ہیں، خود غرضی اور اتباع نفس ہی کے ماتحت پیدا ہوتے ہیں، اور ان اختلافات کے خبیث درختوں کو ضد اور ہٹ دھرمی ہی کے ناپاک پانی سے سیراب رکھا جاتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ ہر ممکن کوشش سے ہر دینی اختلاف کا مٹانا ہر اس شخص کا فرض ہے جو اللہ، اللہ کے رسول اور اللہ کی کتاب پر ایمان رکھتا ہے۔ کیونکہ انبیاء علیہم السلام سب کے سب دینی اختلافات ہی کے مٹانے کے لئے آئے اور ساری آسمانی کتابیں اسی لئے اتاری گئیں کہ ان کے ذریعے لوگوں کے دینی اختلافات دور کئے جائیں۔ ہمارے رسول اللہ صلعم کا اہم ترین فریضہ لوگوں کے دینی اختلافات کا مٹانا تھا، قرآن مبین اسی لئے اتارا گیا کہ لوگوں کے دینی اختلافات کے فیصلے اس کتاب اللہ کے مطابق کر دیئے جائیں۔ پھر بھی اگر خود اس کتاب اللہ قرآن مجید پر ایمان رکھنے والے ہی آپس میں دینی اختلاف رکھیں اور اپنے باہمی اختلافات کا فیصلہ قرآن مبین کے مطابق نہ کریں، بلکہ ہر فریق اپنے خیال پر جو دوسرے سے مختلف ہے اڑا رہے تو یہ فرقہ پرست و اختلاف پسند طبائع کی اپنی بدقسمتی ہے نہ اس میں قرآن کا کوئی قصور ہے نہ اسلام کا۔

اختلاف کے فیصلہ کا قرآنی اصول

قرآن مبین نے صاف بتا دیا کہ ما اختلفتم فیہ من شئ فحکمہ الی اللہ (اے انسانو) تم (دین کی) کسی بات کے متعلق باہم اختلاف میں پڑ گئے تو اس کا فیصلہ اللہ کی طرف (رجوع) ہوگا (سورۂ شوریٰ ع۲) یعنی اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے کہ فاحکم بینھم بما انزل اللہ لوگوں کے درمیان ان کے جھگڑوں کا ان کے اختلافات کا فیصلہ اللہ کی نازل کردہ کتاب کے مطابق کرو۔ اور اس سے ایک ہی آیت پہلے یہ بھی فرمایا ہے ومن لم یحکم بما انزل اللہ فاولئک ھم الفاسقون۔ اور اس سے پہلی آیت میں ہے ومن لم یحکم بما انزل اللہ فاولئک ھم الظلمون۔ اور اس سے پہلی آیت میں ہے، ومن لم یحکم بما انزل اللہ فاولئک ھم الکافرون (سورۂ مائدہ ع۷) یعنی جو لوگ باہمی اختلافات کا فیصلہ اللہ کی اتاری ہوئی کتاب کے مطابق نہ کر لیں وہ لوگ فاسق، وہی لوگ ظالم، اور وہی لوگ کافر ہیں۔ اس لئے متعدد جماعتوں کا یا متعدد اشخاص کا اپنے اپنے اختلاف پر قائم رہنا اور باہمی اختلافات کا کتاب اللہ کے مطابق فیصلہ کر کے ایک فیصلے پر نہ پہنچنا، اس فریق کو جو کتاب اللہ کے فیصلے سے گریز کرے یا ضد ہٹ دھرمی کر کے آیات کی غلط تاویلیں اپنی بات کی سچ کے لئے کرتا رہے اور قرآن کے صحیح فیصلے کے آگے سر تسلیم خم نہ کرے وہ یقیناً فاسق ہے، ظالم ہے اور آخر کفر کی حد تک پہنچ کر رہے گا۔

سورۂ شوریٰ کے دوسرے رکوع کی آیت جو اوپر لکھی گئی اس میں جو حکمہ الی اللہ فرمایا گیا ہے یعنی فرمایا گیا کہ تمہارے ہر دینی

اختلاف کا فیصلہ چاہے وہ اختلاف عقائد سے متعلق ہو یا عبادات سے متعلق، اصولِ اخلاق کے متعلق ہوں یا اصول معاملات کے متعلق۔ اس کا فیصلہ بہرحال اللہ کی طرف راجع ہو کر رہے گا۔ اگر تم نے اپنی ذمہ داری خود محسوس کر لی اور اپنے باہمی دینی اختلافات کو اللہ کی طرف یعنی اللہ کی کتاب کی طرف خود دیانۃً پیش کر دیا، اور کتاب اللہ کے فیصلے پر تم سب کے سب بلا اختلاف انشراح قلب کے ساتھ بکشادہ پیشانی متفق و متحد ہو گئے تو تم لوگ اپنی ذمہ داری سے سبکدوش ہو گئے، اور اس رجوع الی اللہ کے برکات تمہیں دنیا و آخرت دونوں جگہ مل کر رہیں گے۔ اور اگر تم سبھوں نے یا تم میں سے بعض فریق نے ہٹ دھرمی کی اور اپنے باہمی اختلافات کو کتاب اللہ کے سامنے پیش نہیں کیا یا پیش تو کیا مگر قرآنی آیات کی تاویلیں اپنے منشا کے مطابق کھینچ تان کر کرنے لگے اور اپنے غلط اختلاف پر اڑے رہے تو دنیا میں وہ ایسا کر لیں مگر آخرت میں اللہ یحکم بینکم یوم القیمۃ فیما کنتم فیہ تختلفون۔ جن باتوں میں تم یہاں اختلاف کر رہے ہو، قیامت کے دن اللہ خود ان باتوں میں تمہارے درمیان فیصلہ کر دے گا۔ (سورۂ حج ع ۹) اس دن پوری طرح ہر فریق کو معلوم ہو جائے گا کہ کون واقعی کتاب اللہ کا اتباع کر رہا تھا اور کون کتاب اللہ کو اپنے منشاء کا تابع بنانا چاہتا تھا۔ کون اللہ تعالیٰ کی طرف حقیقۃً دل سے رجوع تھا اور کون زبان سے تو اللہ کا نام لیتا تھا مگر درحقیقت وہ کسی غیر اللہ کی طرف دل سے رجوع تھا۔ مختصر یہ ہے کہ دینی اختلافات بہرحال اللہ ہی کی طرف رجوع ہو کر رہیں گے۔ اگر اختلاف کرنے والوں نے دنیا میں خود اللہ تعالیٰ کی طرف اپنے باہمی اختلافات کو رجوع نہیں کیا تو قیامت کے دن وہ سارے اختلافات خود بخود اللہ تعالیٰ کی طرف رجوع ہو کر رہیں گے تو جو لوگ قیامت پر ایمان رکھتے ہیں اور وہاں کی بازپرس سے ڈرتے ہیں، ان لوگوں کا فرض ہے کہ دنیا ہی میں اپنے باہمی دینی اختلافات اللہ کے سامنے یعنی کتاب اللہ کے سامنے پیش کر کے ان سارے اختلافات کے فیصلے کتاب اللہ کے مطابق کر لیں اور جو فیصلہ کتاب اللہ کا ہو اسی پر پوری امت متفق ہو جائے اور ہرگز ہرگز باہمی اختلاف کو باقی نہ رکھیں، ورنہ پھر قیامت کے فیصلے سے ڈریں۔

اتنی تصریح سے یہ بات پوری طرح واضح ہو گئی کہ مسلمانوں کا باہمی دینی اختلاف ان کے لئے ایک زبردست لعنت ہے اور اس لعنت کے طوق کو انہیں جلد سے جلد اپنی گردنوں سے اتار پھینکنا چاہیے۔

صحابہ یا ائمہ مجتہدین کے مختلف فتوے

اگر صحابہ یا ائمہ مجتہدین نے کسی ایک مسئلے میں مختلف فتوے دیئے ہیں تو ان کی خبریں ہم لوگوں تک کسی قطعی ذریعے سے نہیں پہنچی ہیں۔ ہو سکتا ہے کہ ان میں سے بعض فتووں کی خبر مخالفین کی مشہور کی ہوئی ہو، اور وہ درحقیقت ان بزرگوں پر تہمت ہو، اور بالفرض وہ خبریں صحیح بھی ہوں تو بعد والوں کا یہ فرض ہے کہ ان مختلف فتووں کو کتاب اللہ کی روشنی میں دیکھیں جو فتوے کتاب اللہ کے موافق یا قریب تر ہوں بس صرف اسی ایک کو صحیح سمجھیں اور باقی فتووں کو ان بزرگوں کی خطائے اجتہادی سمجھیں اور ان پر کبھی عمل نہ کریں بلکہ ان سب کو متروک قرار دیں۔ کیونکہ جس اجتہاد کا غلط اور خطا ہونا ثابت ہو جائے اس اجتہاد پر عمل کرنا کبھی جائز نہیں ہو سکتا جب تک اس کی خطا ثابت نہیں ہوئی تھی، لوگ نادانستہ اس پر عمل کرتے رہے وہ معاف ہے مگر جب اس کی خطا ثابت ہو گئی تو پھر طریق صواب کے ہوتے طریق خطا پر چلنا کوئی عقلِ سلیم قبول نہیں کر سکتی۔

تنازع تنازع کے معنی یہ ہیں کہ حقوق یا معاملات میں جھگڑا دو شخصوں یا دو جماعتوں کے درمیان ہو، چاہے کسی ایک چیز کے متعلق

ایک شخص کہے کہ یہ چیز ہماری ہے اور دوسرا کہے کہ تمہاری نہیں، ہماری ہے۔ چاہے ایک شخص دوسرے پر کوئی ذمہ داری عائد کرے کہ دینی حیثیت سے تم فلاں بات کے ذمہ دار ہو۔ اور وہ دوسرا اس ذمہ داری کا منکر ہو۔ وہ کہتا ہو کہ مجھ پر شرعاً یہ ذمہ داری عائد نہیں ہوتی۔ ایک شخص کہے کہ شرعاً تم پر ہمارا یہ حق ہے، دوسرا کہے تمہارا یہ حق مجھ پر شرعاً نہیں ہے۔ تو اس قسم کے جھگڑوں کے متعلق فرمایا گیا کہ فان تنازعتم فی شئ فردوہ الی اللہ ورسولہ ان کنتم تومنون باللہ والیوم الاخر۔ اگر کسی چیز کے بارے میں تم لوگ آپس میں جھگڑو تو اس جھگڑے کو اللہ اور اس کے رسول کے سامنے پیش کرو۔ اگر تم اللہ پر اور قیامت کے دن پر ایمان رکھتے ہو۔

دیکھئے۔ اختلاف والی آیت وما اختلفتم فیہ من شی فحکمہ الی اللہ میں اور اس تنازع والی آیت میں دو باتوں کا صاف فرق رکھا گیا ہے۔ اختلاف والی آیت میں تنہا اللہ تبارک وتعالیٰ کا نام پاک آیا ہے اور تنازع والی آیت میں اللہ تعالیٰ کے نام پاک کے بعد رسول کا بھی ذکر موجود ہے۔ ایک فرق تو یہ نمایاں ہے۔ دوسرا فرق یہ ہے کہ اختلاف کے متعلق فرمایا گیا کہ فحکمہ الی اللہ یعنی اختلاف کا فیصلہ ایسا نہیں ہے جو کسی وجہ سے رک جائے یا اس کو نظر انداز کر دیا جائے۔ کسی کو یہ حق بھی حاصل نہیں ہے کہ کسی دوسرے کی خاطر سے یا دباؤ سے کسی دینی رائے سے دست بردار ہو جائے، بغیر اس کے کہ اس پر اس کی رائے کی غلطی واضح ہو گئی ہو۔ یعنی اپنی رائے کو صحیح سمجھتے ہوئے بھی بغیر کسی دلیل وحجت کے صرف کسی کو خوش کرنے کے لئے یا اس کے ڈر سے اپنی رائے کو بدل دینا اور اپنے صحیح خیال سے پھر جانا جائز نہیں، البتہ دلائل سے اپنی رائے کی غلطی جس پر ثابت ہو جائے، اس کا یہ فرض ضرور ہے کہ وہ اپنی رائے بدل دے اور فریق کے دلائل سے مطمئن ہو جانے کے بعد اختلاف سے دست بردار ہو جائے، تو اس صورت میں تو اختلاف ہی باقی نہ رہا، اور جب اختلاف باقی نہ رہا تو پھر فیصلہ کس چیز کا ہوگا؟ مگر جب تک فریق کے دلائل سے دل مطمئن نہ ہو اور اپنی رائے کی غلطی یا ضعف محسوس نہ ہونے لگے اس وقت تک صرف کسی کو خوش کرنے کے لئے یا کسی ڈر سے اپنے خیال کو بدل دینا اور اختلاف سے دست بردار ہو جانا جائز نہیں۔ البتہ اگر دو رایوں میں سے ایک رائے منشائے احتیاط کے مطابق ہے۔ یا دونوں رایوں میں سے ایک کو دوسری پر ترجیح دینے کی کوئی ظاہر وجہ دلائل کی رو سے تو نہیں ہے مگر امت کی اکثریت ایک رائے کو پسند کرتی ہے تو افتراق واختلاف جماعت کو مٹانے کے لئے اگر اقلیت اپنی رائے سے دست بردار ہو جائے تو یہ جائز نہیں ہے بلکہ مستحسن ہے اور مستحسن ہی نہیں واجب وفرض بھی اس کو کہہ سکتے ہیں کیونکہ امت کو افتراق سے بچانا سب سے اہم جماعتی فریضہ ہے۔ بشرطیکہ دلائل میں اقلیت واکثریت دونوں کی رائیں برابر ہوں۔ اور ایک رائے کو دوسری رائے پر ترجیح دینے کی اور کوئی وجہ نہ ہو۔

مگر تنازع والی آیت میں حکم ہے تنازع کے فریقین کو کہ فردوہ الی اللہ ورسولہ تم اپنے تنازع کو اللہ اور اس کے رسول کے سامنے پیش کرو۔ جس کے معنی یہ ہیں کہ اگر تم دونوں آپس کے اس تنازع کو خود ایثار ورواداری کر کے دور نہیں کر سکتے اور اس کو فیصلے کے لئے کسی کے سامنے پیش کرنے پر مجبور ہو تو کسی دوسرے کے سامنے پیش نہ کرو۔ اللہ یعنی اللہ کی کتاب ہی کے سامنے پیش کرو۔ مگر چونکہ حقوق ومعاملات کے اصول ہی کتاب اللہ میں بتائے گئے ہیں، ہر طرح کے جزئی مسائل اور جزئی تنازع کا فیصلہ صریح

کتاب اللہ کا کام نہیں کہ بیان کرے، اسلئے اگر رسول موجود ہیں تو ان کے سامنے پیش کرو تاکہ وہ کتاب اللہ کے بتائے ہوئے اصول کے مطابق تمہارے جزئی جھگڑوں کا فیصلہ کردیں۔ اور رسول صلعم کی وفات کے بعد بھی جب آپس کے حقوق و معاملات والے جھگڑوں کا فیصلہ کرنے لگو تو سب سے پہلے دیکھو کہ قرآن میں جو اصول حقوق و معاملات کے بتائے گئے ہیں ان میں سے کس اصل کی تحت میں یہ زیر غور جھگڑا آتا ہے، اور قرآن کی بیان کردہ اصل کی رو سے اس جھگڑے کا کیا فیصلہ کیا جاسکتا ہے۔ اگر قرآن کی بتائی ہوئی کوئی اصل ایسی تمہارے ذہن میں نہ آئے جس کو زیر نظر جھگڑے پر منطبق کیا جاسکے، اور اس کی رو سے اس جھگڑے کا فیصلہ کیا جاسکے، تو تم یہ دیکھو کہ اس قسم کا کوئی جھگڑا کبھی رسول اللہ صلعم کے عہد مبارک میں آپ کے سامنے پیش ہوا تھا یا نہیں؟ اگر اس کا پتہ کسی طرح مل جائے کہ اسی طرح کا کوئی تنازع عہد نبوی میں بھی بعض صحابہ کے درمیان ہوا تھا اور رسول اللہ صلعم نے اس تنازع کا یہ فیصلہ فرمایا تھا، تو اگر یہ روایت صحیح ہوگی تو یقیناً رسول اللہ صلعم کا فیصلہ معلوم کرلینے کے بعد آپ کے ذہن میں وہ آیت بھی ضرور آجائے گی جس کی روشنی میں آپ نے وہ فیصلہ فرمایا تھا، اور اگر رسول اللہ صلعم کی طرف منسوب فیصلہ سننے کے بعد بھی باوجود غور و تدبر کے ایسی کوئی آیت نہ ملے جس سے اس فیصلے کا تعلق ثابت ہو، مگر آپ کی عقل سلیم اس فیصلے کو حق بجانب اور مبنی بر انصاف تسلیم کر رہی ہو اور وہ فیصلہ قرآن مبین کی کسی آیت کے خلاف نہ ہو، تو آپ اس کو اپنی قوت فکریہ کی کمزوری، قرآنی آیات پر اپنا عدم عبور اور اپنے غور و تدبر کی خامی سمجھئے۔ کیونکہ حقوق و معاملات انسانی کے متعلق کوئی ایسا جزئیہ نہیں ہوسکتا جس کے متعلق قرآن مبین بالکل خموش ہو، کسی نہ کسی اصولی کلیہ کے ماتحت ہر جزئیہ آکر رہے گا۔ مثلاً ایک مسلمان کا دوسرے مسلمان پر یہ حق ہے کہ اگر ایک شخص کسی مدد کا محتاج ہو تو دوسرا اس کی ہر ممکن مدد کرے۔ مگر یہ مدد نیکی اور پرہیزگاری کے کاموں میں ہو گناہ اور نافرمانی و سرکشی کے کاموں میں نہ ہو۔ قرآن میں فرمایا گیا ہے کہ تعاونوا علی البر والتقوی ولا تعاونوا علی الاثم والعدوان۔ نیک کاری اور تقوی میں ایک دوسرے کی مدد کرتے رہو اور گناہ و سرکشی میں ایک دوسرے کی مدد نہ کرو۔ اتفاقاً ایک جلسے میں میں تقریر کر رہا تھا، اثنائے تقریر میں میں نے کہا کہ روایتوں میں ہے کہ رسول اللہ صلعم نے صحابہؓ سے فرمایا کہ اپنے بھائی کی مدد کرو چاہے وہ ظالم ہو یا مظلوم۔ صحابہؓ نے پوچھا کہ یا رسول اللہ! مظلوم کی مدد کرنے کو تو ہم سمجھتے ہیں کہ ظالم کو اس پر ظلم نہ کرنے دیں گے مظلوم کی طرف سے مدافعت کریں گے، مگر ظالم کی کس طرح مدد کریں گے؟ آپ نے فرمایا کہ ظالم کی مدد یہی ہے کہ تم اس کو ظلم سے باز رکھو، اس کو ظلم کرنے نہ دو۔ اس جلسے میں ابوالمحاسن مولوی سجاد صاحب نائب امیر شریعت صوبہ بہار اور جمعیۃ العلمائے ہند کے روح و رواں (اللہ تعالیٰ ان کی مغفرت فرمائے) بھی اتفاق سے موجود تھے۔ انھوں نے درمیان تقریر کھڑے ہوکر مجھ سے پوچھا کہ یہ حدیث قرآن کی کس آیت کے مطابق ہے؟ اللہ تعالیٰ نے میری مدد فرمائی، اور فوراً مذکورہ بالا آیت میرے ذہن میں آئی۔ میں نے وہ آیت پڑھی کہا کہ حکم ہے تعاونوا علی البر والتقوی مظلوم کی مدد، اس کو ظالم کے ظلم سے بچانا تعاون علی البر ہے اور ظالم کی مدد یعنی اس کو ظلم سے باز رکھنا، ظلم کرنے نہ دینا تعاون علی التقوی ہے۔ بے ساختہ ان کے منہ سے "ماشاء اللہ" کا لفظ نکل آیا۔ غرض کوئی حدیث صحیح، کوئی فیصلہ نبوی جو واقعی فیصلہ نبوی ہو ایسا نہیں ہوسکتا جس کی بنیاد قرآنی ہدایت پر نہ ہو۔

زمانے میں ایک ہی صورت مسئلہ میں متعدد صحابہ نے باہم مختلف فتوے دیئے ہوں تو یہ ممکن ضرور ہے، مگر ایسے فتوے اسی ماحول اور اسی زمانے تک کیلئے ہوں گے، دوسرے ماحول اور دوسرے زمانے میں جو اس پہلے ماحول اور اس پہلے زمانے سے مختلف ہوں ان پہلے فتووں پر عمل کبھی جائز نہیں ہو سکتا۔

مختصر یہ ہے کہ اصل قانون کتاب اللہ قرآن مجید ہے۔ سنت نبوی و سنت خلفائے راشدین و سنت صحابہ کی حیثیت نظائر کی ہے قانون کا صحیح منشا سمجھنے کے لئے نظائر کا دیکھنا بیشک ضروری ہے۔ مگر وہیں جہاں قانون میں قواعد کلیہ بیان کئے گئے ہوں اور نظائر میں جزئیات کی تصریحیں ملیں۔ اور جہاں قانون صاف اور واضح الفاظ میں ہو وہاں نظائر کی کوئی ضرورت نہیں۔ والسلام علی من اتبع الہدیٰ۔

[اس باب میں ہم اتنی وضاحت اور ضروری سمجھتے ہیں کہ اس بات کا فیصلہ کہ فلاں معاملہ میں قرآن کا منشاء کیا ہے اور سابقہ نظائر میں سے کونسی نظیر اس منشائے قرآن کے مطابق ہے، کسی فرد کے کرنے کا نہیں — خواہ وہ فرد کوئی عامی ہو یا عالم۔ اس کا فیصلہ امت کا اجتماعی نظام ہی کرے گا جسے قرآنی نظام حکومت کہا جاتا ہے۔ یہی اختلافات کو مٹانے کی عملی صورت ہے خود رسول اللہ کے عہد ہمایوں میں اسی طریق پر عمل ہوتا رہا اور رسول اللہ کے بعد بھی اسی طریق پر عمل ہونا چاہیئے۔ امت کا ایک نظام ہو اور وہی نظام اختلافی اور نزاعی امور میں فیصلہ کرے۔ اس فیصلہ کے لئے وہ قرآن کو بھی اپنے سامنے رکھے گا اور احادیث نبوی اور آثار صحابہؓ اور اجتہاد ائمہؒ کو بھی۔ ان سب کی روشنی میں وہ اپنے زمانے کے حالات کے مطابق فیصلہ کرے گا، اور وہی فیصلہ امت کیلئے واجب العمل ہوگا۔ یہ ہے طلوع اسلام کا مسلک جسے مفاد پرست لوگ نہ معلوم کس کس شکل میں عوام کے سامنے پیش کر کے ان کے جذبات کو بھڑکاتے رہتے ہیں۔ طلوع اسلام]

نوادرات

مجموعہ مضامین علامہ اسلم جیراجپوری

بڑا سائز ضخامت چار سو صفحات قیمت چار روپے محصول ڈاک نو آنے

ادارۂ طلوعِ اسلام۔ کراچی

رفتارِ عالم

فرانس کے نئے وزیراعظم ــ مینڈس فرانس ــ نے پارلیمان سے ایک مہینہ کی مہلت طلب کی تھی اور یہ عہد کیا تھا کہ اگر وہ ۲۰ جولائی تک ہندچینی میں امن قائم نہ کرسکے تو وزارت سے مستعفی ہو جائیں گے۔ ان تیس فیصلہ کن ایام میں جینوا نے کئی پلٹے کھائے اور میزانِ عالم میں امن و جنگ کے پلڑے اس سریع تواتر سے بھاری اور ہلکے ہوتے رہے کہ دنیا امید و بیم کی شدید کشمکش میں مبتلا رہی۔ یہ کشمکش بالآخر ختم ہوئی اور جینوا سے یہ خبر چاردانگ عالم میں بجلی کی طرح پھیل گئی کہ ہندچینی میں فریقین جنگ بند کرنے پر رضامند ہو گئے ہیں۔ وقتی طور پر ہندچینی عالمگیر جنگ کا باعث بنتے بنتے رک گیا لیکن یہ نہیں کہا جاسکتا کہ کرۂ ارض تیسری جنگ کے خطرے سے محفوظ ہوگیا۔ ان معاہدات کا اتنا فائدہ ضرور ہے کہ وقتی خطرہ ٹلتا جارہا ہے اور یہ موہوم امید پیدا ہوتی چلی جارہی ہے کہ شاید کاروانِ انسانیت تباہی کے غار سے بچ جائے۔

معاہدۂ صلح مینڈس فرانس کی حقیقت پسندی اور جرأت مندی نے ہندچینی میں جنگ تو بند کرادی لیکن جیسا کہ انھوں نے اعتراف کیا معاہدہ ایسا نہیں جسے اقوامِ مغرب اپنی فتح قرار دے سکیں۔ دراصل یہ ممکن بھی نہیں تھا کہ خاطر خواہ شرائط حاصل کی جاتیں کیونکہ فرانس ہندچینی میں شکست خوردہ فریق کی حیثیت رکھتا تھا۔ اس جنگ کو جاری رکھنے کی ایک ہی صورت تھی کہ برطانیہ اور بالخصوص امریکہ پوری طرح اس میں شریک ہوتے۔ یہ دونوں اس کے لئے تیار نہ تھے۔ ان حالات میں فرانس دب کر ہی صلح کرسکتا تھا۔ اول اول امریکہ نے اس معاہدہ سے کسی قسم کا واسطہ رکھنے سے ہی انکار کردیا اور اپنے نمائندے کو جینوا سے واپس بلوالیا۔ یہ امریکہ کا اعترافِ شکست تھا۔ فرانس کے وزیراعظم نے بھانپا کہ اگر امریکہ یوں بے تعلق ہوگیا تو معاہدہ کی ترتیب میں اشتراکیوں کا دباؤ اور بڑھ جائے گا۔ چنانچہ اس نے برطانیہ اور امریکہ دونوں کے نمائندوں سے پیرس میں ملاقاتیں کیں اور انھیں جینوا کانفرنس میں ازسرِنو شرکت پر آمادہ کرلیا۔ امریکہ کے اس طرح واپس آجانے سے فرانس کی پوزیشن قدرے مستحکم ہوگئی اور شرائط مقابلتاً بہتر ہوگئیں۔ معاہدہ کی چیدہ چیدہ شرائط حسب ذیل ہیں:-

ویٹ نام: اشتراکی افواج کا زیادہ تر ہجوم اسی علاقے میں تھا۔ جیسا کہ ڈر تھا اسی حصہ ملک کو تقسیم کردیا گیا ہے۔ خطِ تقسیم سترہویں عرض بلد پر ہے۔ شمالی علاقہ اشتراکیوں کے قبضے میں رہے گا اور جنوبی غیر اشتراکی حصہ ہوگا۔ جو شہری ایک حصے سے دوسرے حصے میں منتقل ہونا چاہیں گے انھیں اس کی آزادی بھی ہوگی اور مناسب مراعات بھی دی جائیں گی۔ دونوں حصوں کی فوجی قوت میں کسی قسم کا اضافہ نہیں ہوگا۔ وہ نئے فوجی اڈے بھی نہیں قائم کریں گے اور کسی فوجی دفاعی تنظیم میں بھی شرکت نہیں کرسکیں گے۔ دو سال کے بعد ۱۹۵۶ء میں انتخابات عمل میں لائے جائیں گے تاکہ ملک کو متحد کیا جاسکے اور ایک مشترک حکومت قائم کی جاسکے۔ انتخابی نقطۂ نگاہ سے اشتراکیوں کا پلڑا فی الحال بھاری نظر آتا ہے کیونکہ ویٹ نام کی کوئی سوا دو کروڑ آبادی میں سے کوئی سوا کروڑ ان کے حصے میں آئے ہیں۔ گویا اکثریت آبادی ان کے علاقے میں ہے جس سے بظاہر یہی قیاس کیا جاتا ہے کہ ووٹوں کی تعداد انہی کی زیادہ ہوگی۔ معاہدہ کی نگرانی کے لئے ایک بین الاقوامی کمیشن مقرر کیا گیا ہے جس کے تین رکن ہیں ہندوستان (صدر)

کینیڈا اور پولینڈ۔ اس کمیشن کی ترکیب صاف طور پر اشتراکیوں کے حق میں ہے کیونکہ پولینڈ اشتراکی ملک ہے اور ہندوستان اشتراکیوں کا موید ہے اشتراکیوں نے یہ شرط بھی منظور کرالی ہے کہ معاہدہ کی خلاف ورزی سے متعلق کمیشن جو فیصلے کرے گا وہ کثرت رائے سے نہیں بلکہ اتفاق رائے سے ہوں گے۔ اس شرط سے اور زیادہ یقین ہو جاتا ہے کہ یہ فیصلے اشتراکیوں کے حق میں ہوں گے۔

لاؤس: ویٹ منھ کی اشتراکی فوجیں اس ریاست سے واپس بلالی جائیں گی لیکن مقامی اشتراکی دو شمالی صوبوں میں مجتمع ہو جائیں گے۔ اشتراکی موجودہ حکومت کو تسلیم کرلیں گے ۱۹۵۵ء میں نئے انتخابات ہوں گے۔ حکومت کی رضامندی سے فرانس ریاست میں بدستور دخیل رہ سکتا ہے۔

کمبوڈیا: اس ریاست کی شرائط صلح بھی لاؤس جیسی ہیں، البتہ لاؤس کی طرح مقامی اشتراکیوں کے لئے کوئی علاقہ مخصوص نہیں کیا گیا۔

اشتراکی سیاست

ہند چینی کی صلح سے فرانس اور دیگر اقوام نے اطمینان کا سانس لیا ہے، لیکن اس سے محض مقامی خلفشار ختم ہوئی ہے، حقیقی خطرہ نہیں ٹلا۔ اشتراکیوں نے کوریا میں تو بڑی ضد اور ہٹ دھرمی کا مظاہرہ کیا تھا اور مذاکرات صلح کو دو سال تک کھینچ کے لے گئے تھے لیکن ہند چینی کے معاملہ میں انھوں نے بڑی مفاہمت پسندی کا ثبوت دیا اور بے وجہ نہیں تھا۔ وہ مصالحت پسندی کا ثبوت دیکر اول تو یورپ اور ایشیا میں امریکہ کو بدنام کرنا چاہتے تھے کہ وہ مصالحت کی راہ میں موانعات پیدا کرتا ہے۔ دوئم، وہ یورپ میں یہ امید پیدا کرنا چاہتے تھے کہ اگر ایشیا کے مسائل کا حل پرامن طریق سے نکالا جا سکتا ہے تو یورپی مسائل کا حل بھی ممکن ہے، لہٰذا امریکی دفاعی سلسلوں کی ترتیب کی ضرورت نہیں۔ سوئم، وہ ایشیائی اقوام میں اپنی امن پسندی کا ڈھول پیٹ کر انھیں امریکہ کی طرف سے ہٹانا چاہتے تھے، یہ دیکھنا ہے کہ وہ ان سہ گونہ مقاصد میں کہاں تک کامیاب ہوتے ہیں لیکن ان کی تکمیل کے لئے تگ و دو شروع ہو گئی ہے۔

یورپ کا لاینحل مسئلہ E.D.C. کا قیام ہے۔ یہ دفاعی منصوبہ دو سال پہلے تیار کیا گیا تھا اور اس میں چھ یورپی طاقتیں شامل تھیں۔ اس کا مقصد یہ تھا کہ اس کے واسطے سے جرمن افواج کو (NATO) ناٹو کے زیر کمان وزیر استعمال لایا جا سکے۔ نیز اس کے تصفیہ کے بعد جرمنی کا معاہدۂ صلح مرتب ہوگا۔ چھ اقوام میں سے چار نے تو اس معاہدہ کی تصدیق کر دی ہے لیکن اٹلی اور فرانس نے ابھی تک ایسا نہیں کیا۔ اٹلی کی تصدیق یقینی ہے لیکن فرانس آج تک اس کی تصدیق پر آمادہ نہیں ہوا کیونکہ اسے خطرہ ہے کہ جرمن مسلح ہو کر پھر فرانس کو روند ڈالیں گے۔ فرانس چاہتا ہے کہ جب تک امریکہ اور برطانیہ واضح ضمانت نہ دیں کہ جرمن فوجیں پھر سے فرانس کو کچل نہیں دیں گی اسوقت تک اس معاہدے کی تصدیق نہ کی جائے۔ برطانیہ اور امریکہ صریح ضمانت کیلئے تیار نہیں، گو انھوں نے کئی طریقوں سے فرانس کو یقین دلایا ہے کہ ایسا نہیں ہونے دیا جائے گا۔ جرمنی مصر ہے کہ یہ تصدیق جلد ہو کیونکہ اس تصدیق کے بعد ہی اس کے معاہدۂ آزادی کا سوال پیدا ہوگا۔ برطانیہ اور امریکہ فرانس کی ٹال مٹول سے ایسے تنگ آ گئے ہیں کہ چرچل اور آئزن ہاور جب پچھلے دنوں ملے تو انھوں نے اعلان کیا کہ اگر فرانس نے E.D.C. معاہدہ کی توثیق نہ کی تو جرمنی سے معاہدہ علیحدہ طور پر کر لیا جائیگا۔

روس مغربی اقوام کے ان اختلافات کو ابھارتا رہتا ہے۔ چنانچہ اس سال کے آغاز میں برلن کانفرنس میں اس نے متحدہ یورپ کا تصور پیش کیا، جس میں روس بہ حیثیت یورپی قوم شامل ہو اور امریکہ بہ حیثیت غیر یورپی قوم خارج ہو جائے۔ مغرب کے نزدیک یہ تجویز ناقابل قبول تھی۔ بعد میں اسمیں یہ ترمیم کر دی گئی کہ امریکہ بھی اس میں شریک ہو سکتا ہے۔ اس کا مطلب محض یہ ہے کہ مغربی دفاعی تنظیمیں، مثلاً ناٹو اور ای۔ ڈی۔ سی ختم ہو جائیں۔ چنانچہ ہند چینی سے فارغ ہو کر ادھر مینڈس فرانس نے اس مسئلہ کی طرف توجہ دی، اُدھر روس نے پھر تجویز پیش کر دی کہ دول اربعہ کے وزرائے خارجہ

باہمی ملاقات کریں اور متحدہ یورپ پر بحث و تمحیص کریں۔ یہ شوشہ چھوڑنے کا مطلب یہی تھا کہ فرانس کو چکمہ دیا جائے کہ معاہدہ مذکور کی توثیق پھر سے معرض التوا میں ڈال دے۔ توقع یہی ہے کہ اقوام مغرب اس پیشکش کو مسترد کر دیں گی۔ مینڈس فرانس البتہ اپنی طرف سے اس معاہدہ پر توجہ مرکوز کئے ہوئے ہیں۔ انھوں نے اعلان کیا ہے کہ ۲۴ اگست کو پارلیمان میں توثیق سے متعلق بحث کا آغاز ہوگا۔ اس سے پیشتر انھوں نے ای۔ڈی۔سی کے ممالک کے وزرائے خارجہ کو برسلز میں مدعو کیا ہے تاکہ معاہدہ مذکور میں کچھ ایسی ترمیمات کر دی جائیں جو فرانس کی مخالف معاہدہ پارٹیوں کے نزدیک زیادہ قابل قبول ہوں۔ آثار سے پتہ چلتا ہے کہ مینڈس فرانس اس معاہدہ کی تصدیق میں کامیاب ہو جائیں گے۔ اگر وہ واقعی کامیاب ہو گئے تو یہ ان کا بہت بڑا کارنامہ ہوگا کیونکہ اس سے مغربی یورپ کے منصوبہ دفاع کی تکمیل کی صورت پیدا ہوگی جو روسی تدبر کیلئے شکستِ فاش ہوگی۔

اشتراکیت کا مقابلہ

ہند چینی کے تصفیہ سے لازمی طور پر یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ ایشیا کو اشتراکیت کے فروغ سے کیسے بچایا جائے گا؟ ظاہر ہے کہ اشتراکی اپنی سرگرمیوں کو ضرور جاری رکھیں گے، خواہ ان کی شکل کچھ ہی کیوں نہ ہو۔ ہند چینی کے بعد اشتراکیت کا سب سے بڑا اور فوری خطرہ اس کے پڑوسی، تھائی لینڈ (سیام) کو لاحق ہوتا ہے۔ کوئی عجب نہیں کہ اب اس ملک میں اشتراکی سرگرمیاں تیز تر ہو جائیں۔ یہی حال ملایا کا ہو سکتا ہے جس کی آبادی میں چینیوں کی آبادی کا خاص عنصر شامل ہے اور وہ پہلے سے ہی گوریلا جنگ میں مصروف ہے لہٰذا امریکہ اور برطانیہ دونوں کا مفاد اس میں ہے کہ ایسی احتیاطی تدابیر اختیار کی جائیں جن سے اشتراکیت کے سیلاب کے سامنے بند باندھا جا سکے۔ اس خطرے کے تدارک کیلئے امریکہ نے یہ تجویز پیش کی تھی کہ جنیوا کانفرنس کا نتیجہ کچھ ہی کیوں نہ ہو جنوب مشرقی ایشیا میں تمام اقوام متعلقہ مل کر ایک دفاعی تنظیم قائم کریں۔ برطانیہ اور ہندوستان اب تک اس تجویز کی مخالفت کرتے چلے آئے ہیں۔ دونوں کی وجوہات مختلف تھیں مگر مقصد ایک تھا۔ اس سے امریکہ اور برطانیہ میں اختلافات کی وسیع خلیج حائل ہو گئی جسے چرچل اور آئزن ہاور نے واشنگٹن کی ملاقاتوں میں پاٹنا چاہا۔ ان مساعی کا نتیجہ یہ نکلا ہے کہ برطانیہ امریکہ کا موئد ہو گیا ہے اور اب SEATO کی تشکیل کے لئے ۶ ستمبر کو منیلا (فلپائن) میں ایک کانفرنس منعقد ہو رہی ہے۔ پاکستان اس کانفرنس میں شریک ہو رہا ہے۔ اسے شریک ہونا ہی چاہئے تھا کیونکہ اس علاقے میں اشتراکیت کا فروغ پاکستان کے لئے ایک عملی مسئلہ ہے۔ اس کانفرنس میں ایشیائی اقوام میں سے آسٹریلیا اور نیوزی لینڈ کی یورپی اقوام کے علاوہ تھائی لینڈ اور پاکستان شریک ہو رہے ہیں۔ ہندوستان نے بہت کوشش کی کہ پاکستان اس میں شریک نہ ہو سکے لیکن غنیمت ہے کہ ایسا ممکن نہیں ہو سکا۔ پہلے تو اس کیلئے یہ تجویز ہوا کہ دول کولمبو کی ایک کانفرنس طلب کی جائے اور اس میں طے کیا جائے کہ سیٹو کانفرنس میں شرکت کی دعوت قبول کی جائے یا نہ لیکن یہ بھانپ کر کہ ایسی کانفرنس میں اتفاق رائے ممکن نہیں ہو سکے گا ہندوستان نے رنگون میں منعقد ہونے والی کانفرنس میں شرکت سے معذوری کا اعلان کر دیا۔ اس سے رنگون کانفرنس کا انعقاد قابل عمل نہ رہا۔ ہندوستان کی کوششوں سے البتہ سیلون، برما اور انڈونیشیا نیز اکانفرنس میں شریک نہیں ہو رہے۔ فی الحال یہ نہیں کہا جا سکتا کہ بعد میں کون کون آمادہ بہ شرکت ہو جائیں گے۔ سیٹو کے متعلق یہ بات قابل غور ہے کہ یہ محض دفاعی تنظیم ہی نہیں ہوگی بلکہ اسے علاقہ مذکور کی معاشی ترقی کا ذریعہ بھی بنایا جائیگا۔ کیونکہ یہ دیکھا گیا ہے کہ اشتراکیت معاشی پسماندگی اور بدحالی میں زیادہ پھیلتا ہے۔

عالمگیر دفاعی تنظیم

سیٹو کی تشکیل پر اشتراکیت کے خلاف عالمگیر دفاعی تنظیم کی داغ بیل پڑ جائے گی۔ یہ سلسلہ ناٹو سے شروع ہوا۔ اس میں امریکہ، برطانیہ، پرتگال، یونان، ترکی سمیت چودہ اقوام شامل ہیں۔ ناٹو سے چھ مغربی یورپی اقوام کو ای۔ڈی۔سی کے

نام سے ملایا جا رہا ہے تاکہ جنوبی جرمنی کی فوجیں بھی مشترکہ یورپی دفاعی نظام کے تحت استعمال ہو سکیں۔ اس سلسلہ کی تیسری کڑی انہی دنوں معرضِ وجود میں آئی ہے۔ یہ معاہدہ بلقان ہے جو اگست میں ترکی، یونان اور یوگوسلاویہ کے مابین طے پایا ہے۔ یوگوسلاویہ پہلے روسی محاذ کا رکن تھا، بعد میں ماسکو کے خلاف بغاوت کر کے مارشل ٹیٹو نے آزاد پالیسی اختیار کی جو رفتہ رفتہ مغرب کی موید ہوتی گئی۔ ترکی نے اس تبدیلی کا فائدہ اٹھایا اور بڑی کوشش سے ایک معاہدہ مودت طے کیا جو حال ہی میں عسکری معاہدہ کی شکل میں منتج ہوا۔ اس معاہدہ کی رو سے تینوں غیر اشتراکی بلقانی ممالک منسلک ہو جاتے ہیں اور چونکہ ترکی اور یونان ناٹو کے رکن ہیں، اس لئے یوگوسلاویہ بھی بالواسطہ ناٹو سے متعلق ہو جاتا ہے۔ یہ تینوں ممالک بیرونی حملہ کی صورت میں ایک دوسرے کی امداد کرینگے، اور گو یوگوسلاویہ پر حملے کی صورت میں ترکی اور یونان ہی براہِ راست متاثر ہوتے ہیں لیکن ان ممالک میں سے کسی ایک پر بھی حملہ ہوا تو ناٹو لامحالہ حرکت میں آجائے گی۔ معاہدہ بلقان سے اگلی کڑی مشرق بعید کی دفاعی تنظیم ہے۔ ابتداءً اسی کے لئے میڈو کی تجویز تھی لیکن نہر سویز کے قضیہ کی وجہ سے وہ معرضِ وجود میں نہ آسکی۔ پھر اس کی شکل بدل گئی اور ترکی اور پاکستان کے مابین پہلے معاہدہ اخوت طے ہوا، بعد میں معاہدہ دفاع۔ اس دفاعی معاہدہ میں توسیع کی گنجائش ہے اور ہو سکتا ہے کہ اقوامِ عرب، ایران اور افغانستان رفتہ رفتہ اس میں شریک ہو جائیں۔ اس کے بعد کی کڑی سیٹو کی آرہی ہے۔ ان سلسلہ در سلسلہ دفاعی تنظیموں سے پاکستان کی اہمیت کا اندازہ ہو سکتا ہے۔ یہ اہمیت عالمگیر محاذ میں دن بدن بڑھتی جائیگی جس سے پاکستان کا مقام و منصب واضح تر ہوتا جائیگا۔ یہ اہمیت دشمنِ پاکستان ہندوستان کو ایک آنکھ نہیں بھاتی اور وہ ہر ممکن طریقے سے اس کے استخفاف میں منہمک ہے۔

مغربِ اقصیٰ کی آزادی

عالم اسلامی میں بعض ایسے واقعات ظہور پذیر ہوئے ہیں جو خوش آئند تبدیلیوں کا پتہ دیتے ہیں۔ فرانس کے وزیر اعظم مینڈس فرانس نے ہند چینی سے فارغ ہو کر شمالی افریقہ کی طرف بھی توجہ دی اور ایسے معلوم ہوتا ہے کہ وہ اس قضیہ کو بھی حل کر کے دم لیں گے۔ ٹیونس کی نو دستور جماعت کے قائد حبیب بورقیبہ جو عرصے سے نظر بند تھے انھیں حال ہی میں بغرض مذاکرات پیرس لے جایا گیا۔ اس کے بعد مینڈس فرانس خود ٹیونس گئے اور وہاں جا کر داخلی آزادی کا اعلان کیا۔ ان کی تجویز کا لب لباب یہ ہے فرانس امورِ خارجہ کا نظم و نسق اپنے ہاتھ میں رکھے گا۔ حکومت خالصۃً اہل ٹیونس کی مرتب کی جائے گی جسے داخلی امور پر اختیار حاصل ہوگا اور وہی فرانس سے مستقبل کا فیصلہ کریگی۔ وزیر اعظم فرانس نے اس پیشکش کے ساتھ ہی یہ دھمکی دی ہے کہ اگر اس تجویز کو منظور نہ کیا گیا تو ہر قسم کے مظاہرین کو سختی سے دبا دیا جائے گا۔ اس تجویز کی حیثیت کچھ بھی ہو، اسے حبیب بورقیبہ کی تائید حاصل ہے۔ اسی کا نتیجہ ہے کہ ٹیونس کی توجہ فوری طور پر نئی حکومت کی تشکیل پر مرکوز ہو گئی۔ چنانچہ نئی حکومت مرتب ہو چکی ہے۔ اس کے وزیر اعظم ابن عمرو ہیں۔ ان کی کابینہ میں دس ارکان ہیں جن میں سے صرف تین نو دستوری ہیں۔ وزیر اعظم نے پہلے چھ نو دستوری وزراء منتخب کئے تھے لیکن فرانس نے اصرار کیا کہ ان کی تعداد کم کر دی جائے کیونکہ اسے خدشہ تھا کہ نو دستوری وطن پرست اپنے مطالبات میں متشدد ہوں گے۔ اسی صورتِ حال کا یہ پہلو ضرور امید افزا ہے کہ نو دستوری جماعت اس تجویز کی موید ہے۔ لیکن فرانس کا رویہ بہت زیادہ امید افزا نہیں۔ وہ ایک طرف تجویز کے استرداد کی صورت میں تشدد کی دھمکی دے رہا ہے، دوسری طرف فرانسیسی آبادکاروں کے حقوق کے تحفظ پر زور دے رہا ہے۔ یہ آبادکار کوئی ڈھائی لاکھ کی تعداد میں ہیں۔ ان کے مقابلہ میں اہل ٹیونس تیس لاکھ ہیں۔ اب تک کی حکومت ان آبادکاروں کی اقلیت کے

سپرد رہی ہے اور مقامی باشندوں کو قابلِ ذکر حقوق عطا نہیں کئے گئے۔ ٹیونس کے وطن پرستوں نے آبادی کے لحاظ سے ان آبادکاروں کے تحفظ کی ہمیشہ ضمانت دی ہے لیکن فرانس مساوات نیابت کی ضد کرتا رہا ہے۔ اب اگر حسنِ تدبر سے کام لیا گیا تو اس قضیہ کا حل بعید نہیں۔

ٹیونس کی صورتِ حال نے مراقش پر اثر ڈالا ہے اور وہاں سے بھی داخلی آزادی کا مطالبہ شروع ہو گیا ہے۔ چونکہ فرانس نے مراقش کو اس قسم کی کوئی پیش کش نہیں کی اس لئے وہاں دہشت پسندی اور تشدد کا ایک نیا دور شروع ہو گیا ہے۔ مراقش کے وطن پرستوں کا یہ بھی مطالبہ ہے کہ گذشتہ سال فرانس نے ان کے جس وطن دوست بے کو معزول کر دیا تھا اسے بحال کیا جائے۔ موجودہ بے مولا عرافی کو ابھی تک ملک میں تائید و حمایت حاصل نہیں ہو سکی۔ چنانچہ اس نے ان علماء کو گرفتار کرنا شروع کر دیا ہے جو سابق بے کی بحالی کا مطالبہ کر رہے ہیں۔ انہی دنوں ان کی گرفتاریاں فیض کی مشہور مسجد کے حرم سے ہوئی ہیں حالانکہ فرانسیسی فوجوں نے ایسا کرنے سے انکار کر دیا تھا۔

قرائن سے پتہ چلتا ہے کہ مغرب اقصیٰ جدوجہد آزادی کے فیصلہ کن دور میں داخل ہو رہا ہے۔ کیا اس بدقسمت سرزمین کو بالآخر امن نصیب ہو سکے گا؟ اس کا جواب عنقریب مل جائے گا۔

قضیۂ سویز کا حل

مصر کی بھی ان دنوں ایک دیرینہ نزاع حل ہوئی ہے۔ سویز کا قضیہ، جس پر بہت خون خرابہ ہوا، اور جس کی بدولت مصر اپنے دیگر مسائلِ مہمہ کی طرف توجہ دینے سے قاصر رہا، بالآخر طے ہو گیا۔ مصر اور مصر کے ہی خواہوں کیلئے اس سے بڑھ کر خوشی کا اور کوئی موقع نہیں ہو سکتا۔ فیصلہ یہ ہوا ہے کہ برطانیہ اپنے تراسی ہزار (۸۳۰۰۰) فوجی سپاہی بیس مہینوں کے اندر اندر سویز کے علاقے سے نکال لیگا۔ (یہ امر قابلِ ذکر ہے کہ انخلا ۱۹۵۶ء میں مکمل ہوگا اور اسی سال نہر سویز کا انگلو ثانی معاہدہ ختم ہو جاتا ہے۔ گویا برطانیہ نے اپنی طرف سے مصر کو کوئی رعایت نہیں دی!) برطانیہ سویز میں واقع ورکشاپ وغیرہ کو اپنی مشرق وسطیٰ کی افواج کے فائدے کیلئے سات سال تک استعمال کر سکے گا لیکن اس دوران میں سارا عملہ غیر فوجی ہوگا اور ایک غیر فوجی اجارہ دار کے تحت کام کریگا۔ برطانیہ کو حق حاصل ہوگا کہ اگر کسی عرب ملک یا ترکی پر حملہ ہو تو وہ سویز کے اڈے کو از سرِ نو زیرِ استعمال لے آئے۔ اس تصفیہ میں امریکہ کا خاصا ہاتھ ہے۔ ترکی پر حملے کی شرط سے صاف طور پر پتہ چلتا ہے کہ یہ امریکہ کے ایما سے ہوا ہے۔ اس کا مصر کو فوری فائدہ یہ ہوگا کہ امریکہ نے دو کروڑ ڈالر کی جو امداد روک رکھی تھی وہ مصر کو فی الفور مل جائے گی۔ اب مصر فوجی محاذ میں شریک ہوگا۔ کیونکہ اس شرکت میں جو روڑا اٹکا ہوا تھا وہ راستے سے ہٹ گیا ہے لیکن یہ دیکھنا ہے کہ اس کی کیا شکل ہوگی اور معاملہ کا یہی پہلو پاکستان کیلئے گہری دلچسپی کا باعث ہو جاتا ہے۔

جیسا کہ پہلے تبصروں میں لکھا گیا ہے، برطانیہ اور ہندوستان ایک عرصہ سے مصر پر ڈورے ڈال رہے ہیں کہ وہ ان کے محور میں شریک ہو جائے۔ مصر کو انھوں نے قیادت کا ایسا سراب دکھایا ہے کہ مصر اس دام میں آچکا ہے۔ چنانچہ مصر کی کوشش یہ ہے کہ عرب ممالک کو اکٹھا کیا جائے اور ان کی قیادت کی جائے۔ برطانیہ اور ہندوستان اس طرح ایک طرف تو عرب بلاک کی ہمدردیاں حاصل کرنا چاہتے ہیں، دوسرے وہ عربوں کو پاکستان سے علیحدہ رکھنا چاہتے ہیں۔ بدقسمتی سے مصر میں کافی خلاف پاکستان فضا پیدا کر دی گئی ہے۔ مصر کا "ذاتی" مفاد بھی پاکستان کے حریف ہونے میں ہے، کیونکہ پاکستان جس بے غرضی سے عالم اسلامی کو متحد کرنا چاہتا ہے، وہ عملاً ممکن ہوا تو مصر کا قیادت کا خواب شرمندۂ تعبیر نہیں ہو سکے گا۔ بظاہر حالات ایسے ہیں کہ مصر کا پاکستان کے خلاف کام کرنا مشکل ہو جائے گا کیونکہ امریکی بلاک میں شریک ہو جانے سے مصر کے

پاکستان اور ترکی سے قریب تر ہونے کا احتمال زیادہ ہے۔ دوسرے عالم اسلامی کو اکٹھا کرنے والے عناصر اپنا اثر ضرور پیدا کر کے رہیں گے۔ امسال حج پر کئی ممالک اسلامیہ کے اعلیٰ قائدین موجود تھے۔ ان میں پاکستان کے گورنر جنرل، غلام محمد صاحب اور وزیر اعظم محمد علی صاحب اور مصر کے وزیر اعظم کرنل عبدالناصر خصوصیت سے قابل ذکر ہیں۔ ان قائدین نے ایک اسلامی کانفرنس بھی منعقد کی جس میں مشترکہ مسائل پر غور و خوض ہوا۔ گو شاہ سعود اور کرنل ناصر نے عربی وحدت پر ہی زور لگایا لیکن ایسے اجتماعات بین الاسلامی رجحانات کو فروغ دینے میں بڑی مدد دینگے۔ ہو سکتا ہے کہ کسی وقت ایک ملک کیلئے بہت دشوار ہو جائے کہ وہ عمومی مفاد مسلمہ کے خلاف جائے۔ اس ضمن میں یہ بھی قابل ذکر ہے کہ مصر کے وزیر اعظم عبدالناصر نے پاکستان آنے کی دعوت منظور کر لی ہے۔ یہ آمد دور رس نتائج کی حامل ہو سکتی ہے۔

تیل کا مسئلہ ایران سے بھی یہ خوشخبری آئی ہے کہ اس کا تیل کا تین سال کا قضیہ طے ہو گیا ہے۔ ایران نے ۱۹۵۱ء کے اوائل میں تیل کی صنعت کو قومی بنانے کا فیصلہ کیا تھا۔ اس سے آبادان کے دنیا بھر میں عظیم ترین کارخانے اینگلو ایرانین آئل کمپنی کے تصرف سے نکل کر ایران کی ملکیت میں آ گئے تھے۔ لیکن ان تین سالوں میں برطانیہ نے ایسا سیاسی اور معاشی دباؤ استعمال کیا کہ نہ تو ایران ان کارخانوں کو پوری طرح چلا سکا، نہ تیل دنیا کی منڈیوں میں فروخت کر سکا۔ اس سے ایران کی معاشی حالت بڑی پسماندہ ہو گئی جس سے اشتراکیت کو خاصا فروغ ہوا اور جگہ بہ جگہ اور وقتاً فوقتاً بدامنی کے مظاہرے ہونے لگے۔ ایران رفتہ رفتہ ایسے نازک دور میں داخل ہو گیا کہ اس کے مستقبل سے متعلق چنداں حسن ظن باقی نہ رہا۔ گذشتہ سال اُس وقت کے وزیر اعظم ڈاکٹر مصدق اور شاہ ایران کے مابین براہ راست تصادم کی شکل پیدا ہو گئی جس نے کئی نشیب و فراز دیکھے۔ آخر کار ڈاکٹر مصدق گرفتار ہو گئے اور ان کی بجائے جنرل فضل اللہ زاہدی برسر حکومت آئے۔ انھوں نے آتے ہی مغرب سے مراسم پیدا کرنے شروع کر دیئے۔ برطانیہ سے بھی انھوں نے از سر نو روابط قائم کئے اور تیل کے لئے مذاکرات شروع کر دیئے۔ ان کی مستعدی دیکھ کر امریکہ نے بھی ہنگامی مالی مدد دیدی تاکہ وہ اطمینان سے مذاکرات مکمل کر سکیں۔ ان مذاکرات میں امریکہ نے نمایاں حصہ لیا ہے بلکہ اس کامیابی کا سہرا امریکہ کے سر ہے۔ نئے معاہدہ میں جملہ مفادات کا مناسب لحاظ رکھا گیا ہے اور ہر ایک کو مطمئن کرنے کی کوشش کی گئی ہے۔ ایران کا حق ملکیت تسلیم کر لیا گیا ہے اور یہی سارے جھگڑے کی جڑ تھی۔ تیل تیار کرنے کا کام آٹھ متفرق کمپنیوں کے ایک مشترکہ ادارے کے سپرد ہو گا۔ اس ادارے میں اینگلو ایرانین آئل کمپنی ــــ جسے بے دخل کر دیا گیا تھا ــــ کا چالیس فی صدی حصہ ہو گا۔ چالیس فی صدی پانچ امریکی کمپنیوں کا ہو گا اور دس فی صدی حصہ ایک ہالینڈ کی کمپنی کا اور بقایا دس فیصدی ایک فرانسیسی کمپنی کا۔ یہ ادارہ ۲۵ سال تک اس صنعت کو چلائیگا۔ اس کا منافع نصف ایران کو ملے گا اور نصف ادارے کو۔ ایران کے حق ملکیت کے بعد سنگین مسئلہ یہ تھا کہ برطانوی کمپنی کو ایران کی طرف سے معاوضہ کیا دیا جائے۔ کمپنی کا مطالبہ اتنا گراں قدر تھا کہ ایران نہ وہ دینے کی سکت رکھتا تھا نہ دینے کیلئے تیار ہی تھا۔ اب ایران کو سات کروڑ ڈالر بطور معاوضہ دینے ہوں گے۔ یہ رقم حقیر ہے بقایا معاوضہ ادارے کی طرف سے دیا جائے گا جس کا اندازہ ساٹھ کروڑ ڈالر ہے۔

اس تصفیے کے مطابق ایران کا تیل اکتوبر میں رواں ہو جائے گا۔ ایسا ہو گیا تو ایران کا معاشی بحالی کا دور شروع ہو جائے گا۔ معاشی تنظیم کا مسئلہ ایران کے لئے بڑا کٹھن مسئلہ ہے۔ گو اب تیل سے بھی آمدنی شروع ہو جائے گی اور امریکہ سے بھی امداد مل رہی ہے اور ملتی رہے گی لیکن بحالی کیلئے ایران کو بڑی جفاکشی کا ثبوت دینا ہو گا۔

تیل کے تصفیے سے یہ سوال ابھر کر سامنے آگیا ہے کہ ایران بین الاقوامی سیاست میں کونسی راہ اختیار کرتا ہے۔ تیل کے تعطل کے دوران میں تو یہ خدشہ محسوس کیا جانے لگا تھا کہ اس ملک میں اشتراکیوں کا دور دورہ ہو جائے گا لیکن اب بظاہر یہ رو رک گئی ہے۔ ایران کی موجودہ حکومت صریحاً مغرب کی حامی ہے۔ انہی دنوں جنرل زاہدی نے کہا ہے کہ عالمی واقعات کی رو سے دور رہنا پرلے درجے کی حماقت ہے۔ ایران جغرافیائی اعتبار سے بڑی اہمیت کا مالک ہے۔ وہ روس کی سرحد پر ہے اور اسے سب سے زیادہ خطرہ روس سے ہے۔ یہ بالکل اتفاق کی بات ہے کہ ایران اب تک اشتراکی غلبہ سے محفوظ رہا ہے۔ ایران کا بچاؤ مغرب کا معاہد ہونے میں ہے۔ امریکہ سے اسے معاشی اور عسکری امدادیں مل سکتی ہیں اور ان سے وہ داخلی اور دفاعی کمزوری کا مقابلہ کر سکتا ہے۔ گو ایران نے ابھی تک امریکہ سے فوجی استمداد نہیں کی لیکن اسے بالکل یقینی سمجھا جا رہا ہے۔ طبعی طور پر ظاہر ہے کہ ایران کا صحیح مقام پاکستان و ترکی خط دفاع میں ہے۔ یہی وجہ ہے کہ جب سے پاکستان اور ترکی حلیف ہوئے ہیں ایران کی شرکت کا اکثر ذکر آجاتا رہا ہے۔ اب جبکہ ایران داخلی قضیے سے فارغ ہو گیا ہے، اسے سنجیدگی سے اس پر غور کرنا ہوگا اور فیصلہ کرنا ہوگا۔

انڈونیشیا انڈونیشیا میں بھی ایک اہم تبدیلی واقع ہوئی ہے۔ یہ ملک ۱۹۴۹ء میں ہالینڈ کے تصرف سے آزاد ہوا تھا۔ اس یورپی استعمار پسند نے بڑی بددلی سے انڈونیشیا کی آزادی تسلیم کی تھی۔ اسلئے اس نے معاہدہ آزادی میں ایسی شرائط رکھدی تھیں جس سے انڈونیشیا کیلئے طرح طرح کے فتنے پیدا ہوتے رہے۔ ایک فتنہ یہ تھا کہ مغربی نیوگنی جسے انڈونیشیا اپنے ساتھ ملانا چاہتا تھا اور جس کے بغیر وہ اپنی آزادی کو نامکمل سمجھتا تھا، اس کے متعلق یہ شرط لگائی گئی تھی کہ اس کا حل جداگانہ طور پر ہوگا۔ چنانچہ یہ مسئلہ آج تک حل نہیں ہو سکا جس سے انڈونیشیا میں تلخی بڑھتی جا رہی ہے۔ دوسرے ہالینڈ نے اپنے لئے ایسے تحفظات رکھ لئے تھے کہ معاشی اعتبار سے انڈونیشیا کے لئے عملاً دشوار ہو گیا کہ وہ اپنے مسائل کی طرف کما حقہ توجہ دے سکے۔ نیز ہالینڈ نے اس دوران میں کئی ایسے فتنے کھڑے کئے جو اگر کامیاب ہو جاتے تو انڈونیشیا کئی حصوں میں بٹ جاتا اور بالآخر ہالینڈ کے قدموں میں گر پڑتا۔ ان حالات کا ایک ہی نتیجہ ہو سکتا تھا کہ انڈونیشیا ہالینڈ کے ساتھ اپنی "یونین" ختم کر دے۔ یہ مطالبہ انقطاع تعلق ملک میں اتنا شدید ہو گیا کہ ہالینڈ کو اسے تسلیم ہی کرنا پڑا۔ گویا ہالینڈ نے ازرہ بے خردی اپنے حلیف کو ضائع کر دیا۔ ہالینڈ کی حماقت کا انڈونیشیا پر یہ اثر پڑے گا کہ وہ مغربی "استعمار پسندوں" سے اور دور ہو جائے گا۔ یہ خطرہ وقیع ہے کیونکہ ہندوستان نے بڑی محنت سے انڈونیشیا کو اقوام مغرب سے علیحدہ رکھا ہوا ہے۔ اسی کا اثر ہے کہ انڈونیشیا عالم اسلامی سے بھی علیحدہ رہتا ہے اور اس کا عمومی عمل ایشیائی قوم کا ہوتا ہے نہ کہ ایک مسلمان قوم کا۔ اب جبکہ پاکستان جنوب مشرقی ایشیا میں اپنا مقام تلاش کر رہا ہے تو اسے اس عنصر کا بھی تدارک کرنا ہوگا۔

نئے حوادث اگر بین الاقوامی میدان میں پاکستان اور ہندوستان کے تصادم کی نئی صورتیں پیدا ہو رہی ہیں تو اندرون ملک پرانے تنازعات نئی صورتیں اختیار کرتے جا رہے ہیں۔ دریائی پانی کی تقسیم کا مسئلہ دیگر پاکستانی ہندی مسائل کی طرح سات سال کا پرانا ہے۔ اب تک ہندوستان نے اس کا حل تلاش کرنے نہیں دیا کیونکہ وہ تمام دریاؤں کے سرچشموں پر قابض ہے اور اس حیثیت سے پاکستان کے لئے نت نئے خطرات پیدا کر سکتا ہے۔ ۱۹۵۲ء سے یہ قضیہ عالمی بنک کی وساطت سے زیر غور چلا آرہا ہے۔ مذاکرات شروع کرنے سے پیشتر یہ طے پایا تھا کہ جب تک کوئی تصفیہ نہیں ہو جاتا ہندوستان پانی کے بہاؤ اور تقسیم میں مداخلت نہیں کریگا۔ لیکن گزشتہ مہینے میں ہندوستان نے بھاکرہ نہر کا افتتاح کیا جس میں ستلج کا پانی استعمال ہو رہا ہے۔ اصولاً ہندوستان کو ایسا نہیں کرنا چاہیے تھا لیکن اس نے بظاہر یہ بہانہ بنایا

کہ عالمی بنک کے مذاکرات ناکام ہوگئے ہیں۔ واضح رہے کہ عالمی بنک کی تجویز یہ ہے کہ ستلج، بیاس اور راوی کا پانی ہندوستان کے تصرف میں رہے اور چناب، جہلم اور سندھ پاکستان کے استعمال میں آئیں۔ نیز ہندوستان پاکستان کو چھ کروڑ روپیہ دے تاکہ پاکستان متبادل نہریں کھود سکے۔ یہ تجویز ہنوز زیر غور ہے اور اس کے متعلق حتمی فیصلہ نہیں ہو سکا لیکن اس کے باوصف ہندوستان نے ستلج کا پانی بھاکرہ نہر کی طرف منتقل کر لیا۔ پاکستان میں اس اقدام پر خوب بیانات جاری ہوئے، لیکن اس سے نہ ستلج کا پانی واپس آسکا نہ نئی نہریں کھد سکیں۔ پاکستان کا مفاد بہرحال مذاکرات جاری رکھنے میں ہے اور اس کی یہ صورت پیدا کی گئی ہے کہ عالمی بنک کی تجویز کو اس شرط کے ساتھ مان لیا گیا ہے کہ اس کا پاکستان کے موجودہ اور آئندہ نہری منصوبوں پر مضر اثر نہیں پڑیگا۔ ہندوستان کا عذر یہ ابھی تک معلوم نہیں ہو سکا کہ عالمی بنک کی وساطت سے اس کا جواب آچکا ہے اور کابینہ نے اس پر غور بھی کر لیا ہے۔ بہرحال توقع ہے کہ عنقریب مذاکرات کا سلسلہ شروع ہو جائے گا۔ دریائی پانی کے قضیے کا پس منظر کشمیر کے قضیے میں دیکھنا چاہئے۔ اگر کشمیر پاکستان کے ساتھ ہوتا تو یہ سوال سرے سے پیدا ہی نہ ہوتا۔ لیکن کشمیر کے متعلق کیا ہوگا، اس کا جواب کسی کے پاس نہیں۔ ایک عرصہ سے کہا جا رہا ہے کہ اب کشمیر کو سلامتی کونسل میں پیش کیا جائے گا۔ لیکن ایسا کیوں نہیں ہو رہا؟ اور ہوگا تو کب ہوگا؟ یہ کوئی نہیں بتاتا۔ جشن آزادی کے موقع پر وزیر اعظم صاحب نے اپنی تقریر میں کشمیر کا ذکر کیا لیکن اس میں اس کا کچھ جواب نہیں تھا۔ انھوں نے یہ اعتراف ضرور کیا کہ پنڈت نہرو سے براہ راست مذاکرات کا الٹا اثر ہوا ہے لیکن وہ یہ نہ بتا سکے کہ یہ اثر زائل کیسے ہوگا!

کمیونسٹ پارٹی کو، جسے مشرقی بنگال میں ممنوع قرار دیا گیا تھا، اب پاکستان بھر میں ممنوع ہو گئی ہے اور اس سلسلہ میں کچھ گرفتاریاں بھی عمل میں لائی گئی ہیں۔ کمیونسٹ پارٹی جیسی جماعت کا ممنوع قرار دیا جانا قابل فہم ہے کیونکہ اس کا مقصد تخریب ہی تخریب ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ یہ قدم بہت پہلے اٹھانا چاہئے تھا۔ لیکن اس پابندی کے باوجود یہ سوال اپنی جگہ باقی رہ جاتا ہے کہ اشتراکیت کے فروغ کو کیسے روکا جائے؟ یہ پودا معاشی بدحالی میں ہی بارآور ہوتا ہے۔ ارباب حکومت نے اس اساسی خرابی کی طرف مطلقاً توجہ نہیں دی۔ وہ معاشی خوشحالی کی بات کرتے ہیں تو اس صنعتی ترقی کا ذکر کرتے ہیں جو گذشتہ سات سالوں میں پاکستان نے کی ہے۔ صنعتی اعتبار سے دیکھا جائے تو پاکستان نے واقعی غیر معمولی ترقی کی ہے لیکن ملت کی خوشحالی کارخانوں کی قلت و کثرت سے ناپی نہیں جا سکتی کیونکہ "ترقی" صرف چند صنعت کاروں تک محدود ہو کر رہ گئی ہے اور جو دولت پیدا ہو رہی ہے وہ ملت میں تقسیم نہیں ہو رہی۔ اس کے لئے کپڑے کی مثال کافی ہوگی۔ پاکستان میں کپڑے کی پیداوار اتنی بڑھ گئی ہے کہ صنعت کار بیرون ملک منڈیوں کی تلاش کر رہے ہیں۔ پاکستان جیسے پسماندہ ملک کے لئے یہ بڑی خوش آئند بات ہے۔ لیکن ملک کی حالت یہ ہے کہ کپڑے کا قحط پڑا ہوا ہے۔ خود پاکستانی ساخت کا کپڑا یا تو بازار میں ملتا ہی نہیں یا بہت مہنگے داموں ملتا ہے۔ اس کی وجہ یہی ہے کہ صنعتی ترقی ملکی مفاد کے پیش نظر یا کسی منصوبے کے تحت نہیں ہوئی بلکہ محض ذاتی استحصال کے طور پر ہوئی ہے۔ اس کا خمیازہ ساری قوم بھگت رہی ہے اور بھگتے بھی کیوں نہ جب دولت بڑھ رہی ہو اور قوم مفلس تر ہوتی جا رہی ہو تو اس کا نتیجہ کبھی خوش آئند نہیں ہو سکتا۔ ایسے معلوم ہوتا ہے کہ بعض ارباب معیشت ان رجحانات کو بھانپ رہے اور وہ ان خطرات سے آگاہ ہو رہے ہیں جس سے عوام دوچار ہیں۔ حال ہی میں گورنر جنرل جناب غلام محمد نے ایک مقامی کالج کا افتتاح کرتے ہوئے ملک کے صنعت کاروں سے اپیل کی کہ وہ اپنی دولت رفاہی امور پر صرف کریں۔ اس کے ساتھ ہی انھوں نے یہ کہا کہ اگر صنعت کاروں نے ایسا نہ کیا تو قوم مجبور ہو جائیگی کہ ان کی ذاتی ملکیت کی تحدید کرے۔ اس کے علاوہ چودھری محمد علی

وزیر خزانہ، اور مسٹر زاہد حسین، صدر پلاننگ بورڈ، ایسے معیشت و مالیات کے ماہرین نے بھی یہ کہا کہ اگر قوم کا ایک ایک فرد قوم کی رضاکارانہ خدمت کے لئے آگے نہ بڑھا اور ملت کا ایک ایک پیسہ ملت کے کام نہ آیا تو پاکستان معاشی خوشحالی کے دور میں داخل نہیں ہو سکے گا۔ دیکھا جائے تو ہم جس عذاب سے دوچار ہیں وہ اپنے ہی اعمال کا نتیجہ ہے۔ اور یہ عذاب جب بھی ٹلا تو اپنے اعمال ہی سے ٹل سکے گا۔ اعلیٰ نظریات اور معاشی تجزیے صحیح اقدامات کا پیش خیمہ ہو سکتے ہیں لیکن ان کا بدل نہیں ہوتے۔ صحیح اور مثبت نتائج ہمیشہ عمل صالح سے پیدا ہو سکتے ہیں لیکن ہنوز ہم عمل کی منزل سے دور ہیں — اور نتائج بھگت رہے ہیں! — یاد رکھئے! کمیونزم کے سیلاب کی روک تھام کا سوال ہو یا پاکستان کی خوشحالی کا مسئلہ ان کا حل سوائے اس نظام ربوبیت کے قیام کے اور کچھ نہیں جسے قرآن نے نوع انسانی کی مشکلات کا آخری اور واحد حل بتایا ہے۔

مجلس دستور ساز نے وہ عبوری آئین تیار کر لیا ہے جس کے مطابق مستقل آئین کو نافذ کیا جائے گا۔ یہ فیصلہ کیا گیا ہے کہ عبوری دور میں عارضی صدر کا انتخاب ہوگا۔ نیز مرکزی اور صوبائی حکومتیں علیٰ حالہ قائم رہیں گی۔ اس کے بعد انتخابات ہوں گے جو صوبوں کیلئے بھی ہوں گے اور مرکز کے لئے بھی۔ اس سے پیشتر بعض قائدین کی رائے یہ تھی کہ نئے آئین کے مطابق صرف مرکزی انتخابات ہونگے، صوبوں میں مقررہ میعاد گزرنے کے بعد نئے انتخابات ہوں گے لیکن اب فیصلہ یہی ہوا ہے کہ ملک بھر میں نئے انتخابات ہوں۔ اس سے مشرقی بنگال کو یہ فائدہ ہوگا کہ وہ اپنے نمائندے پھر سے منتخب کر سکے گا۔ جگتو فرنٹ کے عروج و زوال کے بعد اس صوبے کو یہ موقع ملنا ہی چاہئے تھا۔

مجلس دستور ساز کا اجلاس پھر شروع ہو گیا ہے۔ اب اسکے تکمیل دستور کیلئے جن اہم امور کی طرف توجہ دینا ہے، وہ دو ہیں۔ ایک مسئلہ ریاستوں کے مستقبل کا ہے اور دوسرا صوبوں اور مرکز کے مابین اختیارات کا۔ دیکھا جائے تو دونوں مسائل ایک ہی مسئلہ کے دو پہلو ہیں۔ اصل مسئلہ تو یہ ہے کہ پاکستان ایک وحدت رہے یا اسے مختلف ٹکڑوں میں بانٹ دیا جائے۔ یہ تلخ حقیقت ہے کہ انگریز نے جو وحدتیں — صوبے اور ریاستیں — اپنے مصالح کے تحت بنائی تھیں وہ پاکستان کیلئے زہر ثابت ہو رہی ہیں۔ یہ حدود بندیاں وحدتِ پاکستان کیلئے خطرہ ہیں۔ لہٰذا پاکستان کا مفاد ان کے ختم کر دینے میں ہے — تعجب ہے کہ حکومت نے اس معاملہ میں کوئی واضح حکمت عملی نہیں سامنے رکھی۔ اب تک سرحد کے بعض قبائلی علاقوں کو صوبے میں مدغم کیا گیا ہے اور بلوچستانی ریاستوں کے متعلق بھی فیصلہ کر دیا گیا ہے کہ انھیں ختم کر دیا جائیگا اسکے باوجود بقایا ریاستوں کے متعلق کوئی فیصلہ نہیں۔ حالانکہ دیکھا جائے تو بات صاف ہے۔ اگر ریاستوں کو باقی رکھنا ہے تو بلوچستانی ریاستوں کو کیوں نہ برقرار رہنے دیا جائے اور اگر ان کو ختم کرنا ہے تو باقی ریاستوں کو بھی کیوں نہ ختم کر دیا جائے۔ بہرحال یہ اصولی اب مجلس دستور ساز میں طے ہوگا۔ اسی ضمن میں مغربی پاکستان کے ایک یونٹ بنائے جانے کا سوال بھی سامنے آئیگا جیسا کہ کئی بار لکھا گیا ہے پاکستان کا مستقبل وحدت میں ہے اور وحدت کی یہی عملی شکل ہے کہ مغربی پاکستان کے صوبوں اور ریاستوں کو ختم کر دیا جائے اگر مغربی اور مشرقی پاکستان میں فاصلہ نہ ہوتا تو سارے پاکستان کو ایک یونٹ بنانا چاہئے تھا۔ اب یہی صورت ہے کہ مغربی پاکستان کو ایک وحدت بنا دیا جائے۔ مشرقی پاکستان تو پہلے سے ہی وحدت ہے۔ اقوام عالم، جن کی بنیادیں قومیت پرستی پر رکھی گئی ہیں، اب زمانے کے تقاضے سے "ایک عالمگیر حکومت" کے تصور کو پرورش دے رہی ہیں اور ہم مسلمان ہیں (کہ نوع انسانی کی وحدت جن کا جزو ایمان ہے) کہ ہم اپنی مملکت کو بھی ایک وحدت نہیں بنا سکتے! اس سے زیادہ بدقسمت قوم اور کون ہو سکتی ہے!

ہمارا اور آپ کا مشترکہ مفاد

جیسا کہ آپ کو معلوم ہے طلوعِ اسلام نے آج تک نہ کسی سے مالی مدد مانگی ہے، نہ اب مانگ رہا ہے۔ البتہ اس کی ایک اسکیم ہے جس کی رو سے آپ اسے ایک پیسہ بھی مفت نہیں دیتے لیکن اسے قرآنی لٹریچر کی اشاعت میں سہولت بہت ہو جاتی ہے۔ اسکیم یہ ہے کہ اگر آپ ایک سو روپیہ (یکمشت یا چار مساوی ماہانہ اقساط میں) ادا کر دیں تو آپ کا حساب کھول لیا جائے گا اور اس حساب میں ہم آپ کو رسالہ طلوع اسلام اور اس کی شائع کردہ کتابوں میں سے جو بھی آپ کو مطلوب ہوں بھیجتے چلے جائیں گے تا آنکہ آپ کا ایک سو روپیہ پورا ہو جائے۔ اس کے بعد آپ پھر اسی طرح پیشگی روپیہ جمع کرا سکتے ہیں۔ اگر ہم کسی وجہ سے اس سلسلہ کو جاری نہ رکھ سکیں تو آپ کا بقایا روپیہ آپ کو واپس کر دیا جائے گا۔

یہ اسکیم قریب ایک سال سے جاری ہے اور اس عرصہ میں ہم ایک درجن سے زائد کتابیں شائع کر چکے ہیں۔ سابقہ ماہ تک ان کی تعداد ۲۳۵ تک پہنچ گئی تھی مگر اب اس کی رفتار بہت ہی سُست پڑ گئی ہے اس کی طرف ناظرین کو خاص طور پر متوجہ ہونے کی ضرورت ہے۔ ایک درجن کے قریب کتابیں شائع ہونے کے لئے رکھی ہوئی ہیں جن میں "قرآنی نظامِ ربوبیت" اور معارف القرآن کی سابقہ جلدیں جو اب نایاب ہیں۔ نیز معارف القرآن کی پانچویں جلد جیسی ضخیم کتابیں بھی شامل ہیں۔ آپ خود ہی غور فرمائیے کہ اس سلسلہ میں آپ کا کیا فرض ہے۔

اگر آپ ابھی تک "پیشگی خریداران" کی اسکیم میں شامل نہیں ہوئے تو اس پر غور فرمالیجئے کہ اس اسکیم کی رو سے آپ ایک پیسہ بھی زائد نہیں دیں گے اور قرآنی فکر کی نشر و اشاعت میں ہمیں بہت آسانی ہو جائے گی۔ بات صرف اتنی ہے کہ آپ قیمت پیشگی دیتے ہیں۔

ناظم ادارۂ طلوع اسلام۔ کراچی

معارف القرآن

کی چار جلدیں شائع ہو چکی ہیں لیکن ان میں سے پہلی تین جلدیں مدت سے نایاب ہیں۔ قرآنی ذوق رکھنے والوں کے پیہم تقاضوں کے پیش نظر جناب پرویز نے ان جلدوں پر نظر ثانی کی ہے اور (علاوہ دوسری تبدیلیوں کے) ان کی ترتیب کو بھی بدل دیا ہے۔ چنانچہ

معارف القرآن جلد دوم

اب اس سلسلہ کی پہلی کڑی قرار دی گئی ہے اور اس کا نام رکھا گیا ہے۔

ابلیس و آدم

اس میں انسانی تخلیق (نظریۂ ارتقاء)۔ قصۂ آدم۔ ابلیس۔ شیطان۔ جنات۔ ملائکہ۔ وحی اور رسالت سے متعلق مباحث شامل ہیں۔

ایسے اہم عنوانات۔ قرآن کی تعلیم۔ اور جناب پرویز کا قلم۔

آپ خود ہی اندازہ لگا لیجئے کہ کتاب کیا ہوگی!

یہ کتاب بڑی تقطیع ($\frac{29 \times 22}{8}$) کے ۳۷۶ صفحات پر پھیلی ہوئی ہے۔ امید ہے کہ آخر ستمبر تک شائع ہو جائے گی اور جس ترتیب سے فرمائشیں آئیں گی اسی ترتیب سے اس کی روانگی ہوگی۔ لہٰذا اپنی فرمائش بہت جلد بھیجئے۔

جن حضرات کا روپیہ ہمارے پاس جمع ہے ان میں سے وہی صاحب اطلاع دیں جنھیں یہ کتاب درکار نہ ہو، باقی سب کو کتاب از خود بھیجدی جائے گی۔

ناظم ادارۂ طلوع اسلام۔ کراچی

ادارۂ طلوع اسلام کی مطبوعات ایک نظر میں

اسلامی نظام } دورِ حاضرہ کی ایک بلند پایہ کتاب جس میں بتایا گیا ہے کہ ایک اسلامی مملکت کے نظام اور آئین کے بنیادی اصول کیا ہیں، وہ نظام آج کس طرح قائم ہو سکتا ہے۔ اس میں محترم پرویز صاحب اور علامہ اسلم صاحب جیراجپوری کے وہ مقالات شامل ہیں جنھوں نے قوم کے سنجیدہ طبقہ کے سامنے فکر و نظر کی نئی راہیں کھولدی ہیں۔ ضخامت ۴۸ صفحات مجلد مع گرد پوش۔ قیمت دو روپے (علاوہ محصول ڈاک)

قرآنی دستور پاکستان } آئینی جدوجہد کے سلسلہ میں ادارۂ طلوع اسلام کی پیشکش قرآن کی روشنی میں مسودات قرارداد مقاصد و بنیادی اصول و حقوق جو حکومت کے اعلان کے جواب میں بھیجے گئے۔ ساتھ ہی حکومت کی جانب سے پاس کردہ قرارداد مقاصد اور بنیادی اصولوں کی پہلی رپورٹ پر قرآن کی روشنی میں تنقید، مولوی صاحبان کے بائیس نکات کا تجزیہ، اسلامی جماعت کی دستوری سفارشات پر تبصرہ۔ ضخامت ۲۲۴ صفحات مجلد مع گرد پوش دو روپے آٹھ آنے۔

اسباب زوالِ امت } (پرویز) دورِ حاضرہ کی انقلاب آفریں کتاب مختصر مگر ہماری ہزار سالہ تاریخ کا نچوڑ جس نے قوم کے سنجیدہ تعلیم یافتہ طبقہ کے قلب و نگاہ میں انقلاب پیدا کر دیا۔ مسلمانوں کی ہزار سالہ زندگی میں پہلی مرتبہ صحیح طور پر بتایا گیا ہے کہ ہمارا مرض کیا ہے اور اس کا علاج کیا؟ صفحات ۱۵۰۔ مجلد طلائی گرد پوش قیمت ایک روپیہ آٹھ آنے۔

تین اہم عنوانات } مُلّا کے مذہب کے عجیب و غریب حقائق مثلاً (۱) تبدیل مذہب کرنے والوں کو قتل کر دیا جائے گا۔ (۲) غلام اور لونڈیاں بے حد و نہایت بلا نکاح حرم سراؤں کی زینت بنائی جا سکیں گی۔ (۳) یتیم پوتوں کو وراثت سے محروم رکھا جائے گا۔ قرآن کی روشنی میں ملا کے خود ساختہ مذہب کا ابطال اور تینوں مسائل کا حل اگر آپ دیکھنا چاہتے ہوں تو اس کتاب کو ملاحظہ فرمائیے۔ ضخامت ۲۱۲ صفحات۔ قیمت دو روپے آٹھ آنے۔

معراجِ انسانیت :۔ (تفصیلِ مضامین وغیرہ صفحہ ۲۸ پر ملاحظہ فرمائیں) قیمت بیس روپے۔

نوادرات :۔ مفصل اشتہار صفحہ ۶۲ پر ملاحظہ فرمائیں۔ قیمت چار روپے

سلیم کے نام خطوط :۔ مفصل اشتہار صفحہ ۴۵ پر ملاحظہ فرمائیں۔ قیمت چھ روپے۔

قرآنی فیصلے :۔ مفصل اشتہار صفحہ ۵۰ پر ملاحظہ فرمائیں۔ قیمت چار روپے۔

جشن نامے :۔ مفصل اشتہار صفحہ ۴۸ پر ملاحظہ فرمائیں۔ قیمت دو روپے آٹھ آنے

مزاج شناسِ رسول :۔ مفصل اشتہار ٹائیٹل کے دوسرے صفحہ پر ملاحظہ فرمائیں قیمت چار روپے

اسلامی معاشرت :۔ مفصل اشتہار ٹائیٹل کے آخری صفحہ پر ملاحظہ فرمائیں۔ قیمت دو روپے

مقامِ حدیث :۔ مفصل اشتہار ٹائیٹل کے آخری صفحہ پر ملاحظہ فرمائیں۔ قیمت جلد اول چار روپے۔ جلد دوم چار روپے

ادارۂ طلوع اسلام۔ کراچی

قرآن اور حدیث

دونو دین کے رکن هیں !

کیا یه ٹهیک هے ؟

ٹهیک هے تو کسطرح ـ اور غلط هے تو کیوں ؟

کیا ان دونوں کی حیثیت ایک جیسی هے ؟

اگر نهیں تو پهر ان کی حیثیت کیا هے ؟

ان تمام اهم سوالات کے تفصیلی جواب کے لئے -

مقام حدیث

ملاحظه کیجئے جس میں آپ کو احادیث کے متعلق اتنی معلومات حاصل هونگی جو کسی اور جگه یکجا نهیں مل سکینگی -

کتاب دو جلدوں میں مکمل هوئی هے - هر جلد کی ضخامت قریب چارسو صفحات اور قیمت فی جلد (مجلد معه گردپوش) چار روپیه (علاوه محصول ڈاک) -

ناظم ادارہ طلوع اسلام - کراچی -

Only Title Printed at Muslim Art Press, [illegible] Karachi and Text at Adabi Press [illegible] Road, Karachi. Published by [illegible] from [illegible] Office, Karachi.

اگر بنیاد کمزور ھے تو ۔

..... مکان کبھی پختہ نہیں بن سکتا ۔

اگر آپ چاھتے ھیں کہ آپ کی قوم صحیح اسلامی کردار کی حاصل ھوتو ....

اپنے بچوں کو صحیح اسلامی تعلیم دیجئے ۔

صحیح اسلامی تعلیم کے لئے ایسی کتاب کی ضرورت ھے جس میں اسلام کی صحیح صحیح تصویر پیش کی گئی ھو ۔

یہ کتاب ھے ۔

اسلامی معاشرت

جسے جناب پرویز نے بچوں عورتوں اور کم پڑھے لکھے لوگوں کے لئے خاص طور پر لکھا ھے ۔

اور جسے ادارہ طلوع اسلام نے خاص اھتمام سے شائع کیا ھے ۔

ضخامت ۱۹۲ صفحات ۔ قیمت (مجلد مع گرد پوش) ۲/- روپے ۔

(علاوہ محصول ڈاک)

ناظم ادارہ طلوع اسلام ۔ کراچی ۔